مشمولات

مسلمانوں کو فتنۂ ارتداد وانحراف سے بچانے کے لیے

عصری اداروں اور ہسپتالوں کے قیام کی اشد ضرورت

امیر سنی دعوت اسلامی کے قلم سے

وطن عزیز میں ارتداد کے دروازے کھولے جارہے ہیں، یہ آواز ہر دور اندیش اور بیدار مغز کی زبان سے ہمارے کانوں کے پردے سے ٹکرا رہی ہے۔ کثیر مسلم آبادیوں کے حالات قدرے غنیمت ہیں لیکن اگر ہم ملک کے مختلف دیہاتوں کا جائزہ لیں اور وہاں کے ۲۰/۳۰ گھر والے دیہاتوں میں بسنے والے مسلمانوں کی زندگیوں کا جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ وہ کون سی اسلامی زندگی گزار رہے ہیں، کیا انھیں کلمہ یاد بھی ہے؟ وہ نماز پڑھنا جانتے ہیں؟ انھیں قرآن مقدس کی صحیح تعلیم دی جاتی ہے؟ وہاں مسجد و مدرسہ یا اسکول کا انتظام ہے؟ وہ دیگر مذاہب کے رسم ورواج سے دور ہیں؟ اگر ان سوالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں اور جواب طلب کریں تو پتہ چلے گا کہ حالات بہت بد سے بدتر ہیں۔ جو علمائے کرام اور مبلغین ودعاۃ چھوٹی چھوٹی مسلم آبادیوں والے دیہاتوں میں جاتے ہیں اور وہاں دینی ذمے داریوں کے ساتھ کام انجام دیتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہاں کے حالات کیا ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ وہاں اسلامی تعلیمات کی بوبھی نہیں پائی جاتی بلکہ وہ توحید وشرک کے بارے میں کچھ جانتے بھی نہیں۔ ان کے پاس جس مذہب ومسلک کا ماننے والا پہلے پہنچ گیا یا پھر جیسا ماحول ملا اسی سانچے میں وہ ڈھل گئے ہیں۔

جب مغربی دنیا نے مسلم افریقہ کو عیسائی افریقہ میں تبدیل کرنے کا خطرناک منصوبہ بنایا اور اپنا ہدف متعین کیا تو سب سے پہلے انھوں نے دیہاتوں سے کام شروع کرکے اپنی تعداد میں اضافہ کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ افریقہ میں آج سے ۴۰ سال قبل مسلمانوں کی جو تعداد تھی اس میں اب تقریبا ۲۰ سے ۲۵ فیصد کمی واقع ہو چکی ہے۔ عیسائیوں نے اپنے مذہب کے فروغ کے لیے پہلے دوا ہم کام دیہاتوں میں شروع کیے، جگہ جگہ اسکولس اور ہاسپٹلس قائم کیے پھر ان اسکولوں میں انھوں نے چرچ بھی قائم کیے۔ یعنی پہلے لوگوں کی روزمرہ کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کیا اور اس کے ذریعہ دین اسلام سے مسلمانوں کا رشتہ کمزور کیا اور عیسائیت کو فروغ دیا۔

یاد رکھیں! جب تک ہم اپنی سوچ کو حالات حاضرہ کے تقاضوں اور لوگوں کی ضروریات کو سامنے رکھ کر منصوبہ سازی نہیں کریں گے ہم لوگوں کو دین پر قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ آج ہم خود اپنے حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہم میں سے ہر کوئی (الا ماشاء اللہ) اپنے بچوں کو دنیاوی تعلیم کے زیور سے آراستہ کر رہا ہے، دور حاضر کے تقاضوں کو دیکھ کر ہی قدم اٹھا رہا ہے۔ ہمارا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ عوام کی بڑی تعداد اس عصری تعلیم کی طرف مائل ہے، اس لیے مسلم قائدین، علما و دانش وران کو مساجد و مدارس کے ساتھ اسکولس اور ہاسپٹلس قائم کرنا ہوگا، عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن واحادیث کی مضبوط تعلیم دینی ہوگی۔ ہمارا ہر بچہ دین اور دنیا دونوں سے آگاہ ہو اسے ہمیں یقینی بنانا ہوگا، آج ہمارے یہاں بعض رسومات کو گویا فرض کا درجہ دے دیا گیا ہے اور اصل دین کی اشاعت اور خدمت کے سلسلے میں ہم بہت حد تک ناکام ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

اگر صحیح معنوں میں ہمارے اندر دینی وملی درد ہے تو اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ میدان عمل میں کودنا ہوگا اور بغیر خوفِ لومۃ لائم، اسکولس، ہاسپٹلس اور خدمت خلق کے ذریعہ دین کی اعلیٰ قدروں سے اپنی قوم کو آشنا کرانا ہوگا تب ہم ثابت قدم رہ پائیں گے اور عوام کو دین پر قائم دیکھ سکیں گے۔ یقیناً آج بے پناہ کام کی ضرورت ہے۔ سخت محنت کی ضرورت ہے، مخلص و دردمند داعیان دین کی ضرورت ہے، علمائے باعمل کی ضرورت ہے، دین ہمیں آواز دے رہا ہے مگر ہم ہیں کہ نام کے مسلمانوں تک بھی دین کی بنیادی تعلیم پہنچانے سے قاصر ہیں۔ الا ماشاءاللہ

قبل اس کے کہ ارتداد وانحراف اپنا قدم جمالیں ہمیں بیدار ہو جانے کی سخت ضرورت ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ زیادہ تاخیر ہو جائے اور پھر ہم شکوہ شکایت کے ذریعہ اپنے اسی درد کو عیاں کرتے رہیں اور پھر کوئی سننے والا نہ ہو۔ یاد رکھیں کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ ہماری سستی و نااہلی کو دیکھتے ہوئے ہماری جگہ کوئی نئی قوم پیدا فرمادے جو دین کی ذمے داری قبول کرلے اور اُمت مسلمہ کو صحیح دینی سمجھ سے آشنا کردے، جیسا کہ قرآن مقدس میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ. ترجمہ: وہ چاہے تو تمھیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے۔ (کنز الایمان) رب تعالیٰ ہمیں خواب غفلت سے بیدار ہونے کی اور ہر مسلمان کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین ●●

تفسیر قرآن میں سائنس سے استفادہ

قرآن کریم کی بہت ساری آیات ایسی ہیں جو بغیر سائنسی مہارت میں سمجھ میں نہیں آسکتیں

از: غلام اختر مصباحی

قرآن مجید کا یہ بھی بڑا اعجاز ہے کہ وہ ہر ہر زمانے اور ہر ہر دور سے ہم آہنگ رہا۔ کسی بھی دور میں یہ محسوس نہیں کیا گیا کہ یہ کتاب پرانی ہوچکی اور اب کسی عصری (Latest) کتاب کی ضرورت ہے۔ ہر دور میں اور ہر وقت یہ کتاب عصری ہی رہی اور آج کے انتہائی ترقی یافتہ دور میں بھی اَخلاقی، اقتصادی، معاشرتی، عدلی، حکومتی، داخلی، خارجی، سائنسی غرض کہ ہر اعتبار سے عصری ہی محسوس ہوگی۔ اس کا کوئی بھی مضمون پرانا یا فرسودہ محسوس نہیں ہوگا بل کہ سائنس کے بہت سارے راز ایسے ہیں جن سے پردہ ابھی اٹھا ہے اور اُن کا ذکر قرآن مجید میں چودہ سو سال پہلے ہی کردیا گیا تھا۔ ہر دور کے علمائے کرام نے قرآن مجید کو اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق سمجھنے کی پوری پوری کوشش کی ہے لیکن قابل تعریف اور قابل احترام ان کا وہ کارنامہ ہے جو انھوں نے عوام الناس کے لیے انجام دیا۔ قرآن مجید کے کلام ربانی ہونے کی وجہ سے علمائے کرام نے محسوس کیا کہ اگر عام مسلمانوں کو اس بات کا موقع دیا جائے کہ قرآن مجید کو اپنے اپنے طور پر سمجھنے کی کوشش کریں تو سمجھ کے اختلاف کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ جن باریکیوں پر نظر جانی چاہیے، وہاں تک ہر کسی کی نظر نہیں جاسکتی، قرآن مجید کے مفہوم میں بہت زیادہ اختلافات پیدا ہوجائیں گے۔ اسی لیے انھوں نے عام مسلمانوں کے لیے اپنے اپنے دور کے اعتبار سے قرآن مجید کی ترجمانی کا بیڑا اٹھایا۔ ساری دنیا میں ایسے علمائے کرام کی ایک طویل فہرست ملتی ہے جن کی کاوشوں سے آج عام مسلمان فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ہندوستان کے علما بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے اور یہاں کی زبان کو مدنظر رکھتے ہوئے انھوں نے قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر پیش کیں۔ اب تو قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر اردو کے علاوہ ہندی، تیلگو، انگلش اور دوسری زبانوں میں بھی دستیاب ہیں۔ علمائے کرام کا یہ احسان اُمتِ محمد یہ کبھی بھی فراموش نہیں کرپائے گی۔ لیکن جہاں تک احقر کی معلومات کا تعلق ہے ہندوستان میں قرآن مجید کے سائنٹفک پہلوؤں پر خاطر خواہ روشنی نہیں ڈالی جاسکی۔

چند مثالیں

قرآن حکیم کی ایک آیت کا ٹکڑا ملاحظہ کریں:

وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ (الحج:۷۳)

ترجمہ: اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اُس سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔

آیت کریمہ کے اس حصے سے یہی تاثر لیا جاتا ہے کہ جب کوئی مکھی کھانے کی کسی چیز کو لے اڑتی ہے تو مکھی کو پکڑنا اور اُس سے وہ چیز دوبارہ حاصل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ حقیقت میں اس آیت مبارکہ میں استعمال کیے گئے الفاظ لَا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ کے اس سے زیادہ گہرے معنی ہیں۔ دراصل جب مکھی کسی چیز کو پکڑتی ہے تو فوراً ہی اس کے منہ سے ایک قسم کا لعاب (تھوک) خارج ہوتا ہے، جس کو مکھی اُس چیز پر ڈال دیتی ہے۔ فوراً کیمیائی تعامل (Chemical re-action) شروع ہوجاتا ہے اور وہ چیز اپنی اصل حالت میں باقی نہیں رہ پاتی۔ اس کے بعد اگر مکھی کو پکڑ بھی لیا جائے تو مکھی کی چُرائی ہوئی چیز حاصل نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ وہ اپنی اصل حالت میں برقرار ہی نہیں رہتی۔ مکھی کو اللہ تعالٰی کی جانب سے دی ہوئی اس خصلت یا جبلّت کے آگے یا پھر ایک حقیر مکھی کے آگے انسان کس قدر مجبور اور بے بس ہوجاتا ہے۔ کیا یہ حقیقت انسان کی آنکھیں کھولنے، اس کے دل کی کایہ پلٹ دینے اور اس کو اپنے معبودانِ باطل کو چھوڑ کر اللہ وحدہ لاشریک لہ کے آگے جھک جانے پر مجبور کرنے کے لیے کافی نہیں ہے؟

سورۃ النور میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۔

ترجمہ: یا پھر اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرا جس کے اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہے۔ اُس پر ایک اور موج

اوراس کے اوپر بادل، تاریکی پرتاریکی مسلط ہے۔

سائنسی معلومات نہ ہونے کی وجہ سے اس آیت کی ویسی تشریح نہیں ہو پائی جیسی کہ ہونی چاہیے تھی مثلاً سمندر کے اندر پائے جانے والے اندھیرے اور سمندر کی سطح کے نیچے پائی جانے والی سمندری موجوں کے بارے میں موجودہ تفاسیر میں صراحت نہیں ملتی۔ کیوں کہ ان اُمور سے ماڈرن سائنس کی تحقیقات کے بعد ہی پردہ اٹھا ہے اور اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تحقیقات کے نتائج کو بھی آیت مبارکہ کی تشریح میں شامل کیا جائے۔

تحقیقات کی رُو سے سمندر میں اندھیرا دوسو میٹر کی گہرائی میں پایا جاتا ہے اور ایک ہزار میٹر کی گہرائی میں تو گھپ اندھیرا چھایا ہوا ہوتا ہے۔ عام غوطہ خور چالیس میٹر کی گہرائی تک تو آسانی کے ساتھ چلے جاتے ہیں لیکن مزید گہرائی میں جانے کے لیے انھیں مختلف آلات کی ضرورت پیش آتی ہے۔ دوسو میٹر یا اس سے زیادہ گہرائی میں جانے کے لیے مناسب روشنی کا انتظام بھی ضروری ہوتا ہے۔ ساکن پانی میں تو دور تک دیکھا جا سکتا ہے لیکن جب وہی پانی تموج کا شکار ہو جاتا ہے تو رُویت (Visibility) تقریباً صفر ہو جاتی ہے۔ سمندر میں گہرائی کے ساتھ ساتھ پانی کی کثافت میں بھی تبدیلی واقع ہوتی جاتی ہے جس کی وجہ سے سمندر کی نچلی سطح میں بھی اندرونی موجیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان موجوں کی وجہ سے سمندر کی گہرائی میں پائے جانے والے اندھیرے کے اوپر ایک اور اندھیرا مسلط ہو جاتا ہے۔ ان دو اندھیروں کے اوپر سطح سمندر کی موجوں کی وجہ سے پیدا ہونے والا اندھیرا۔ ایسی کیفیت میں اگر گھنے بادل بھی چھائے ہوئے ہوں اور رات کی تاریکی بھی ہو تو کیا کسی کو کچھ دکھائی دے سکتا ہے؟ بالکل بھی نہیں۔ یہی کیفیت شرک اور کفر میں لتھڑے ہوئے لوگوں کی ہوتی ہے کہ اُن تک نورِ ایمان کے پہنچنے کے سارے راستے مسدود اور بند ہو جاتے ہیں اور انھیں حق کی روشنی بالکل بھی دکھائی نہیں دیتی۔ وہ اندھوں سے بھی بدتر ہو کر رہ جاتے ہیں اور اندھیروں میں بھٹکنے اور ٹھوکریں کھا کھا کر گر پڑنے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔

زمین کی ساخت

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں پہاڑوں کو میخوں سے تشبیہ دی ہے جیسا کہ ذیل کی آیات سے ظاہر ہے:

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰداً وَّ الْجِبَالَ اَوْ تَاداً. (النبا:٦۔٧)

ترجمہ: کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ نہیں دیا؟

وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَبِکُمْ۔(النحل:١٥)

ترجمہ: اور اُس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تا کہ زمین تمھیں لے کر ڈھلک نہ جائے۔

قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بھی اِسی مضمون کی آیات آئی ہیں، جن کے مفہوم تک پہنچنے کے لیے ہمیں زمین کی بناوٹ پر غور کرنا ضروری ہے۔ ہماری زمین پوری طرح ٹھوس نہیں ہے بلکہ تہہ در تہہ ہے۔ اوپری تہہ جس کو پرت (Crust) کہا جاتا ہے پچاس کیلومیٹر تا ایک سو کلومیٹر موٹی ہو سکتی ہے۔ سائنس کی زبان میں اس کو سیالک حصّہ (Sialic Portion) کہا جاتا ہے۔ اس کے نیچے پائی جانے والی تہہ کو سیما (Sima) کہا جاتا ہے۔ سیالِک حصّہ سیما کے مقابلے میں زمین کے مرکز سے زیادہ دور ہو جاتا ہے۔ اِسی لیے زمین کی مرکزی کشش سے اتنا ہی آزاد جس کی وجہ سے سیالِک حصہ سیما پر حرکت کر سکتا ہے۔ زمین کی ایک محوری گردش ہے اور ایک مداری گردش۔ محوری گردش کی رفتار تقریباً ایک ہزار چھے سو ستر کیلومیٹر فی گھنٹہ ہے اور مداری گردش ایک لاکھ کلومیٹر فی گھنٹہ سے بھی زیادہ ہے۔ ایسی صورت میں زمین کی اوپری پرت پر دو قسم کی قوتیں اثر انداز ہوتی ہیں:

زمین کی کششِ ثقل جو کہ سیالک حصّے کو زمین کے مرکز کی جانب کھینچتی ہے اور اس کو سیما سے متصل رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ زمین کی محوری گردشیں جو کہ سیالِک حصّے کو سیما سے جدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ چوں کہ زمین کی محوری اور مداری گردشوں کی مشترکہ قوت زمین کی کششِ ثقل سے زیادہ ہوتی ہے اس لیے احتمال ہوتا ہے کہ زمین کا سیالک حصّہ اُس پر بسنے والوں کو لے کر فضا میں ڈھلک نہ جائے۔ اُس کی مثال لکڑی کے ایک بڑے سے گولے جیسی ہے، جس پر کپڑے کا ایک ٹکڑا رکھ دیا جائے۔ جب گولے کو گھمایا جائے گا تو کپڑے کا ٹکڑا گولے سے علیٰحدہ ہو کر دور جا گرے گا۔ لیکن اگر اُسی کپڑے کے ٹکڑے کو کیلوں (Nails) کی مدد سے گولے پر پیوست کر دیا جائے تو گولے کو گھمانے کے باوجود وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں

کرے گا۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے زمین کی اوپری پرت کو زمین سے دور جاپڑنے سے روکنے کے لیے پہاڑوں کی میخوں کے ذریعے پیوست کردیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو جو میخوں سے تشبیہ دی ہے، اتنی مکمل تشبیہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی کیوں کہ پہاڑ بھی میخوں ہی کی طرح زمین کے اندر زیادہ گڑے ہوتے ہیں اور اوپر کم نکلے ہوئے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمالیہ پہاڑ۔ اس کی اوسط بلندی پانچ کلومیٹر ہے لیکن زمین کے اندر کی اس کی جڑ ۸۲ کلومیٹر گہری ہے۔ زمین کے خشکی والے حصّے کا ۴۲ فیصد پہاڑ ہیں، جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے زمین کی پرت کو اُسی طرح پیوست کردیا ہے جیسے کپڑے کے ٹکڑے کو کیلوں کی مدد سے پیوست کیا جاسکتا ہے تاکہ زمین کی انتہائی تیز رفتار گردش سے وہ اور اس پر بسنے والے فضا میں ڈھلک نہ جائیں۔

عذابِ نار کی معنویت

سورۃ الھمزہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِی تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ (الھمزہ)

ترجمہ: اللہ کی آگ کہ بھڑک رہی ہے وہ جو دلوں پر چڑھ جائے گی۔

اس آیت کے مختلف تراجم اور تفاسیر کی گئی ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ مجرموں اور گنہ گاروں کے دوزخ میں پہنچنے والے عذاب کی صحیح عکاسی نہیں ہوتی کیوں کہ دل یا دماغ تک آگ کے پہنچ کر اُن کو جلا دینے سے مجرموں کو حقیقی تکلیف نہیں پہنچتی۔ حقیقت میں دل و دماغ کو اس وقت تکلیف پہنچتی ہے، جب ان تک جسم پر ہونے والی اذیت در اذیت کی اطلاع پہنچائی جائے۔ دل و دماغ میں آگ اُس وقت لگتی ہے جب ان تک ایسی بُری خبریں پہنچائی جائیں، جن میں ان کی بے بسی اور ذلت ورسوائی کا سامان ہو۔ احساسِ ندامت کی آگ تو دوزخ کی حقیقی آگ سے زیادہ ہولناک ہوتی ہے اور یہ گنہ گار کے دل و دماغ میں سلگتی ہے۔ دنیا میں تو بعض بُری خبروں کی اطلاع سے دل کی دھڑکن ہی بند ہوجاتی ہے لیکن آخرت میں دل و دماغ کو صحیح وسالم اور پوری طرح حساس رکھا جاتا ہے اور جسم کے دوسرے حصّوں کو عذاب میں مبتلا کرکے دل و دماغ کو اس کی اطلاع دی جاتی ہے، جس کی وجہ سے دل و دماغ انتہائی اذیت میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اِسی لیے تطلع علی الافئدۃ فرمایا گیا ہے۔ دلوں کو جسم کے دیگر حصّوں پر ہونے والے عذاب کی اطلاع دی جاتی ہے تاکہ وہ تلملا جائیں اور رسوا کن اذیت میں مبتلا ہوجائیں۔

سورۃ النساء میں اِسی نکتے کی وضاحت کی گئی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْھِمْ نَاراً کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْداً غَیْرَھَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ (سورۃ النساء:۵۶)

ترجمہ: جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کیا انھیں ہم بالیقین آگ میں جھونک دیں گے اور جب ان کے دل کی کھال جل جائے گی تو اُس کی جگہ دوسری کھال پیدا کردیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں۔

اس آیت میں واضح طور پر یہ بات بتائی گئی ہے کہ دوزخ کی آگ سے مجرموں اور گنہ گاروں کی کھال یا جلد جل جائے گی، جس کی وجہ سے انھیں سخت تکلیف اور اذیت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ جلد کے پوری طرح جلتے ہی اذیت باقی نہیں رہے گی۔ اللہ تعالیٰ فوراً ہی ایک نئی جِلد پیدا کرے گا تاکہ وہ آگ میں جلے اور گنہ گاروں کو اذیت میں مبتلا کرے اور یہ عمل مستقلاً دہرایا جاتا رہے گا۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ دوزخ کی آگ جِلد کے آگے جانے ہی نہیں پائے گی۔ پھر وہ کس طرح دِل تک جاپہنچے گی۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے جلد کو بے حد حساس بنایا ہے اور اس مقصد کے لیے جلد میں تقریباً دس کروڑ حسی نقطے فراہم فرمائے ہیں، یہ حسی نقطے (Sensory point) تین قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) طبیع تبدیلیوں کو محسوس کرنے والے حسی نقطے
(Taitile Receptors)

(۲) حرارت کی تبدیلیوں کو محسوس کرنے والے نقطے۔
(thermo Receptors)

(۳) تکلیف کو محسوس کرنے والے نقطے۔
(Pain Receptors)

جب انسان کو دوزخ کی آگ میں ڈالا جاتا ہے تو دو طرح کے حسی نقطے زیادہ فعال (Active) ہوجاتے ہیں۔

حرارت کو محسوس کرنے والے حسی نقطے

دوزخ کی ہولناک آگ اور اُس کے درجۂ حرارت کا تو تصور تک محال ہے۔ حرارت کو محسوس کرنے والے حسی نقطے اس حرارت کے

بارے میں دماغ کو پیغام پہنچاتے ہیں۔ دنیا کی طرح دوزخ میں حرارت سے بچنے کا کوئی سامان بھی تو نہیں کیا جاسکتا اس لیے دماغ اپنی بے بسی پر تلملا جاتا ہے اور دل بھی سخت اذیّت سے دوچار ہوجاتا ہے۔ساتھ ہی تکلیف کو محسوس کرنے والے نقطے بھی تکلیف کے پیغام دماغ کو پہنچاتے ہیں۔ دماغ اس تکلیف کو دور کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ اِس لیے دل اور دماغ اذیت در اذیت اور رسوائی کے عذاب میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ جب جِلد جل جاتی ہے تو حسی نقاط بھی جل جاتے ہیں اور حرارت و تکلیف کے پیغام دماغ تک نہیں پہنچ پاتے۔ دِل و دماغ اس صورت حال سے راحت محسوس کرسکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ فوراً ہی جلی ہوئی جلد کی جگہ نئی جلد پیدا فرمادیتا ہے اور پھر حرارت، تکلیف، ذہنی و دلی اذیت اور رسوائی کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور گنہ گار اِسی طرح عذاب کا مزہ چکھتے رہتے ہیں۔حتی کہ موت کی تمنا کرنے لگتے ہیں۔لیکن ان کی یہ تمنا پوری نہیں کی جاتی۔

مجرمین کا انجام

سورۃ العلق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ

ترجمہ: ہاں ہاں اگر باز نہ آیا تو ہم ضرور پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچیں گے۔کیسی پیشانی جھوٹی خطا کار۔

اس ضمن میں ایک نہایت ہی حسّاس اور اہم نکتے کی جانب توجہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ گھسیٹنے کے عمل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے منسوب فرمایا ہے۔انسانی سطح پر تو کسی کو گھسیٹنے کے لیے کسی کا گریبان یا دامن یا ہاتھ یا پیر پیشانی کے بال یا چوٹی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اللہ کی ذات اِس کمزوری سے پاک ہے کہ کسی کو گھسیٹنے کے لیے اُسے کسی کی پیشانی کے بال یا کسی کی چوٹی کی حاجت ہو۔اس کے علاوہ پیشانی کے بال یا چوٹی کے بال جسم کے ایسے حصّے نہیں ہوتے، جنہیں جھوٹا یا خطا کار کہا جاسکے۔ ناصیہ کی پکڑ ہوسکتی ہے، وہ جھوٹی بھی ہوسکتی ہے اور خطا کار بھی۔ناصیہ دراصل انسانی دماغ کے اگلے حصّے کو کہتے ہیں، جو کہ پیشانی سے متصل ہوتا ہے۔ انگلش میں اس کو Frintal lobex کہا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو انتہائی پیچیدہ دماغ عطا کیا ہے اُس کو اُس کے مختلف افعال (Function) کے اعتبار سے کئی حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔اُن میں ناصیہ سب سے زیادہ اہم ہے۔یہ بری بھی ہوسکتی ہے اور اچھی بھی یعنی برے کام بھی کرسکتی ہے اور اچھے بھی۔ناصیہ حسب ذیل افعال کی ذمہ دار ہوتی ہے:

(۱) Learning۔سیکھنا۔(اچھی/بُری باتیں)

(۲) Memory۔یادداشت۔(اچھے/بُری باتوں کی)

(۳) Skills۔ہنرمندی۔(اچھے/بُرے کاموں کی)

(۴) Habits۔عادات واطوار۔(اچھے بھی، بُرے بھی)

(۵) Intellectuality۔عقلمندی۔(اچھی عقل، بری عقل)

(۶) Under Standing۔سوجھ بوجھ۔(اچھی یا بُری)

(۷) Planning۔منصوبہ بندی۔(اچھی/بُری باتوں کی)

(۸) Decision۔فیصلہ کرنا۔(اچھا یا بُرا)

(۹) Motivation۔کسی کام پر اکسانے والی قوت۔(کام اچھا ہو یا بُرا)

انسان کے ہر اچھے یا بُرے فعل کی ذمے دار ناصیہ ہوتی ہے۔ اسی کے مطابق اچھا یا بُرا فعل انجام پاتا ہے۔انسان کی آنکھ، زبان، ہاتھ، پیر تو وہی کچھ کرتے ہیں جس کا حکم ناصیہ کی جانب سے انھیں موصول ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر ناصیہ سارے نظام زندگی کو کنٹرول کرتی ہے اور ناصیہ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کنٹرول کرتا ہے اِسی لیے کسی کو گھسیٹنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا ناصیہ کو حکم دینا ہی کافی ہے۔ ناصیہ خود اس کو اُدھر ہی گھسیٹے گی، جدھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس شخص کی طرف اشارہ فرمایا ہے، وہ بالاتفاق ابوجہل ہے۔صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے سردارانِ قریش سے کہا کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ حضرات کے روبرو اپنا چہرہ خاک آلود کرتا ہے؟ جواب دیا گیا کہ ہاں۔اُس نے کہا لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں نے اُس حالت میں اُسے دیکھ لیا تو اُس کی گردن روند دوں گا اور اس کا چہرہ مٹی سے رگڑ دوں گا۔اس کے بعد اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور اس زعم میں چلا کہ آپ کی گردن روند دے گا لیکن لوگوں نے اچانک کیا دیکھا کہ وہ ایڑیوں کے بل پلٹ رہا ہے اور دونوں ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کررہا ہے۔لوگوں نے پوچھا ابوالحکم تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا: میرے اور اس کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے۔ ہولناکیاں ہیں اور وہ پَر ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک

ایک عضو اُچک لیتے۔

ناصیہ کی کارکردگی کے متعلّق اس واقعے کا تجزیہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ جب ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی کا ناپاک ارادہ کیا تو اس کی ناصیہ میں بُری سوجھ بوجھ پیدا ہوئی، بُرا فیصلہ کیا گیا اور بُری بات کی منصوبہ بندی ہوئی پھر اُس بُری بات کو روبہ عمل لانے کے لیے اُکسانے والی بُری قوت نے اپنا اثر دکھایا اور وہ بُری نیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بڑھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُسی کی ناصیہ کے ذریعے اس کو اس طرح گھسیٹا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچتے ہی اس نے جب آگ کی خندق، ہولناکیاں اور پَر دیکھے تو اس کی ناصیہ میں خوفزدگی پیدا ہوگئی اور اُس نے ابوجہل کو اپنے بچاؤ کی خاطر ذلیل وخوار ہوکر ایڑیوں کے بَل لوٹ جانے پر مجبور کردیا۔

سورج اور چاند

سورۃ القیامہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَخَسَفَ الْقَمَرُ وجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (القیامہ:۸،۹)

ترجمہ: اور چاند گہے گا اور سورج اور چاند ملا دیئے جائیں گے۔

بظاہر تو یہ دو آیتیں بے حد آسان ہیں لیکن سائنسی معلومات اس وقت تک اتنی عام نہ ہوئی تھیں یا یوں کہہ لیجیے کہ وہ تحقیق کے مراحل میں تھیں، اس سے ان کے معنی اور مطلب کے سلسلے میں کسی حتمی نتیجے تک نہیں پہنچا جاسکا۔

اس آیت کی تفسیر کے سلسلے میں قریب سارے ہی علما ایک نکتے کے بارے میں متفق الرائے ہیں اور وہ یہ کہ قیامت کے موقع پر سورج اور چاند بے نور ہوجانے میں یکساں ہوجائیں گے۔ اس ضمن میں اس حقیقت کو ذہن نشین رکھنا بے حد ضروری ہے کہ سورج ایک جلتی ہوئی آگ کا گولہ ہے جس میں ہر سکنڈ ایک سو پچاس ملین ٹن ہائیڈروجن گیس جلتی رہتی ہے۔ قیامت کے موقع پر گیس کی سپلائی روک دی جائے گی جس کی وجہ سے سورج بجھ جائے گا۔ نظامِ شمسی کے تحت نو سیارے جن میں زمین بھی شامل ہے، اور اٹھانوے چاند ہیں۔ یہ سب سورج سے روشنی پا کر رات کے اندھیرے میں چمکتے ہیں اور جب سورج بجھ جائے گا یا بے نور ہوجائے گا تو یہ سارے سیارے اور ان کے چاند بھی بے نور ہوجائیں گے۔ پھر کیوں اللہ تعالیٰ نے صرف زمین کے چاند کا بطور خاص تذکرہ فرمایا؟ چاند کے بے نور ہوجانے کا ایک سبب تو سورج کا بجھ جانا ہے لیکن چاند کے بے نور ہونے کا ایک اور سبب بھی ہوسکتا ہے جس کی جانب آیت نمبر ۸ میں واضح اشارہ ملتا ہے اور وہ یہ کہ چاند کو گہن لگ جائے۔ مکمل چاند گہن ہو تو چاند پر سورج کی روشنی نہیں پڑتی اس لیے وہ بے نور ہوجاتا ہے۔ چاند گہن کے موقع پر زمین، سورج اور چاند کے درمیان اس طرح آجاتی ہے کہ سورج، زمین اور چاند ایک سیدھ میں آجاتے ہیں اور چاند زمین کے پیچھے چھپ جاتا ہے، جس کی وجہ سے سورج کی روشنی چاند پر نہیں پڑنے پاتی اور وہ بے نور ہوجاتا ہے۔ سورج، زمین اور چاند کے ایک سیدھ میں جمع ہوجانے کے تعلق ہی سے اللہ رب العزت نے فرمایا کہ وجمع الشمس والقمر سورج اور چاند جمع کردیے جائیں گے اور یہ واقعہ خسف القمر یعنی مکمل چاند گہن کے موقع پر پیش آئے گا۔

●●

(پہلی قسط)

ہجرتِ نبوی سے قبل اہم دعوتی وتعلیمی مراکز

سیرت نبوی اور تبلیغ ودعوت کا کام کرنے والوں کے لیے ایک بہترین رہ نما تحریر

از:مولاناجاویداحمد

قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے معروف معنوں میں کوئی متعین تبلیغی ودعوتی مرکز نہ تھا، جہاں رہ کر وہ اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنی دعوتی سرگرمیوں کو جاری رکھتے۔ درحقیقت مکی دور میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہی متحرک درس گاہ تھی۔ سفر وحضر، دن اور رات ہر حال اور ہر مقام پر آپ ہی کی ذات دعوت وتبلیغ کا مرکز تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین عام طور پر چھپ کر ہی قرآنِ مجید کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ تاہم کفارِ مکہ کی ستم رانیوں کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت ابوبکر، حضرت خبابِ بن ارت، حضرت مصعب بن عمیر اور دیگر صحابہ کرام قرآنِ مجید کی تعلیم اور اشاعت میں مصروف رہے۔ مکی دور کے ایسے مقامات اور حلقہ جات کو دعوت وتبلیغ کے مراکز سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جہاں حالات کی نزاکت اور ضرورت کے مطابق کسی نہ کسی انداز میں قرآنِ مجید کی تعلیم دی جاتی تھی یا قرآن کی تلاوت کی جاتی تھی۔ ذیل کی سطور میں مکی دور کے چند دعوتی وتبلیغی مراکز کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے جہاں پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام نے کسی نہ کسی حیثیت میں فریضۂ دعوت انجام دیا۔

(ا) مسجد ابوبکر:

مکی دور میں دعوت وتبلیغ کا اوّلین مرکز حضرت صدیق اکبر کی وہ مسجد تھی جو آپ نے اپنے گھر کے صحن میں بنارکھی تھی۔ ابتدا میں یہ ایک کھلی جگہ تھی جس میں آپ قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور نماز پڑھا کرتے تھے۔ عام طور پر آپ بلند آواز سے قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے تو کفار ومشرکین مکہ کے بچے اور عورتیں ان کے گرد جمع ہوکر قرآن سنتے، جس سے ان کا دل خود بخود اسلام کی طرف مائل ہوتا۔

یہ صورتِ حال مشرکینِ مکہ کو بھلا کب گوارا تھی چناں چہ انھوں نے حضرت ابوبکر کو سخت اذیت میں مبتلا کیا جس کی وجہ سے آپ نے مکہ سے ہجرت کا ارادہ کرلیا مگر راستے میں قبیلۂ قارہ کے رئیس ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا: اے ابوبکر! کدھر کا ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میری قوم نے مجھے ہجرت پر مجبور کردیا ہے، اب دنیا کی سیر کروں گا اور کسی گوشے میں اطمینان سے اپنے رب کی عبادت کروں گا مگر ابنُ الدغنہ یہ کہہ کر آپ کو واپس لے آیا کہ آپ جیسے باکردار شخص کو ہجرت پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور پھر حضرت ابوبکر کے لیے اپنی پناہ کا اعلان کیا۔ حضرت ابوبکر واپس تشریف لے آئے اور گھر کے صحن میں باقاعدہ مسجد بنالی، صحیح بخاری میں ہے:

ثُمَّ بَدَأ لابِیْ بَکْرٍ فَابْتَنٰی مَسْجِدًا بِفَنَآءِ دَارِہٖ وَبَرَزَ فَکَانَ یُصَلِّیْ فِیْھَا وَیَقْرَا الْقُرْآن (۱) پھر حضرت ابوبکر نے اپنے مکان کے باہر صحن میں ایک مسجد بنائی اور اس میں نماز اور قرآن پڑھتے تھے۔

مسجدِ ابوبکر میں نہ کوئی مستقل معلم مقرر تھا اور نہ کوئی باقاعدہ طالب علم تھا البتہ یہ مسجد تلاوتِ قرآن اور اشاعتِ قرآن کے لیے مکی دور کی اوّلین درس گاہ اور تبلیغی مرکز قرار دی جاسکتی ہے جہاں پر کفارِ مکہ کے بچے بچیاں اور عورتیں قرآن کے آفاقی پیغام کو لحن صدیقی میں سنتے تھے اور مائل بہ اسلام ہوتے تھے۔ چنانچہ ابن اسحٰق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سند سے روایت کرتے ہیں:

وکان رجلا رقیقا، إذا قرا القرآن استبکی، فیقف علیه الصبیان والعبید والنساء ، یعجبون لما یرون من هیئته، فمشی رجال من قریش إلی ابن الدغنة، فقالوا: یا ابن الدغنة ، إنک لم تُجر هذا الرجل لیوذینا !إنه رجل إذا صلی وقرا ماجاء به محمدیرق ویبکی، وکانت له هیئته ونحو فنحن نتخوّف علی صبیاننا ونسا ئنا وضعفتنا ان یفتنهم، فاتِہٖ فمُرُہ: ان یدخل بیته فلیصنع فیه ماشاء

ترجمہ: حضرت ابوبکر رقیق القلب انسان تھے، جب قرآن پڑھتے تو روتے، اس وجہ سے آپ کے پاس لڑکے، غلام اور عورتیں

کھڑی ہو جاتیں اور وہ آپ کی اس کیفیت کو پسند کرتے۔قریش کے چند لوگ ابن الدغنہ کے پاس گئے اور اس سے کہا :اے ابن الدغنہ! تو نے اس شخص کو اس لیے تو پناہ نہیں دی تھی کہ وہ ہمیں تکلیف پہنچائے۔ وہ ایسا شخص ہے کہ جب نماز میں وہ کلام پڑھتا ہے جو محمد لایا ہے تو اس کا دل بھر آتا ہے اور وہ روتا ہے۔اس کی ایک خاص ہیئت اور طریقہ ہے جس کی وجہ سے ہمیں بچوں، عورتوں اور دیگر لوگوں کے متعلق خوف ہے کہ کہیں یہ انھیں فتنے میں نہ ڈال دے۔ اس لیے تو اس کے پاس جا اور کہہ کہ وہ اپنے گھر کے اندر رہے اور اس میں جو چاہے کرے۔

چنانچہ ابن الدغنہ حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا تو آپ اس طریقے سے باز آجائیں یا پھر میری پناہ مجھے واپس لوٹا دیں۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا:

''میں نے تیری پناہ تجھے واپس کر دی میرے لیے اللہ کی پناہ کافی ہے۔''(۲)

(۲) بیتِ فاطمہ بنتِ خطاب:

حضرت فاطمہ بنتِ خطاب، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن ہیں، جنھوں نے ابتدائی دور میں ہی اپنے خاوند حضرت سعید بن زید سمیت اسلام قبول کرلیا۔ یہ دونوں میاں بیوی اپنے گھر میں ہی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن اسلام لانے سے پہلے گلے میں تلوار حمائل کیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے نکلے لیکن راستے میں اپنی بہن اور بہنوئی کے مسلمان ہونے کی خبر ملی تو انتہائی غصے کی حالت میں تلوار ہاتھ میں لے کر ان کے مکان پر پہنچے تو ان کو قرآن کی تلاوت اور تعلیم میں مشغول پایا۔ ابن اسحٰق کی روایت ہے:

وعند هما خباب بن الارت، معه صحيفة فيها 'طٰه' يقرئهما إياها (۳)

ترجمہ: ان دونوں کے پاس حضرت خباب بن الارت تھے جن کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی جو وہ اِن دونوں کو پڑھا رہے تھے۔

سیرتِ حلبیہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بہنوئی کے یہاں دو مسلمانوں کے کھانے کا انتظام کیا تھا: ایک خباب بن ارت اور دوسرے کا نام مجھے یاد نہیں۔خباب بن ارت میری بہن اور بہنوئی کے پاس آتے جاتے تھے اور ان کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔(۴)

اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان ہے:

وَكَانَ الْقَوْمُ جُلُوْسًا يَقْرَءُوْنَ صَحِيْفَةً مَعَهُمْ (۵)

ترجمہ: اور ایک جماعت بیٹھ کر صحیفہ پڑھ رہی تھی جو ان کے پاس موجود تھا۔

بیتِ فاطمہ بنتِ خطاب کو مکی دور میں قرآنِ مجید کی تعلیم اور اشاعت کا مرکز کہا جاسکتا ہے جہاں کم از کم دو طالب علم اور ایک معلم تھا اور اگر حضرت عمر کے بیان میں لفظ قوم کا اعتبار کیا جائے تو یقینی طور پر یہاں قرآن پڑھنے والی ایک پوری جماعت کا پتہ چلتا ہے۔

(۳) دارِ ارقم:

حضرت ارقم بن ابی الارقم السابقون الاوّلون میں سے ہیں۔ وَكَانَتْ دَارُهٗ عَلَى الصَّفَا (۶) مکہ میں ان کا مکان کوہِ صفا کے اوپر تھا۔

دارِ ارقم کے نام سے شہرت حاصل کرنے والے اس مکان کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ مکان ''دارالاسلام'' کے متبرک لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔(۷)

حضرت ارقم بن ابی الارقم کے کے بیٹے عثمان بن ارقم، جو ثقہ محدث ہیں، کہا کرتے تھے:

انا ابن سبع الإسلام، اسلم ابی سابع سبعة (۸)

میں (عثمان) ایک ایسی ہستی کا فرزند ہوں جنھیں اسلام میں ساتواں درجہ حاصل ہے۔ میرے والد اسلام قبول کرنے والے ساتویں آدمی ہیں۔

حافظ ابن حجر نے بھی الاصابہ میں ابن سعد کے قول کو ہی اختیار کیا ہے تاہم ابن الاثیر کے مطابق حضرت ارقم کا قبولِ اسلام میں دسواں یا بارہواں نمبر ہے۔(۹)

البتہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت ارقم ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے ابتدائی دور میں ہی اسلام قبول کرلیا تھا۔

مشرکین مکہ جب اسلام کے پھیلاؤ کو کسی طرح بھی نہ روک سکے

تو انھوں نے کمزور مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو بیت اللہ میں آزادانہ نماز ادا کرنے سے روکتے، ذکر الٰہی اور تلاوتِ قرآن میں خلل انداز ہوتے، دست درازی کرتے اور اکثر ان کا رویہ انتہائی گستاخانہ ہوتا تھا۔ حالات اس قدر نازک ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کے لیے گوشوں اور گھاٹیوں تک میں محفوظ اور آزادانہ طور پر عبادت اور نماز کا ادا کرنا ممکن نہ تھا۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے:

''ایک دفعہ مسلمان مکہ کی ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین کے ایک گروہ نے انہیں دیکھ لیا اور ان کو سخت سست کہنا شروع کیا۔ بات بڑھتے بڑھتے لڑائی تک پہنچ گئی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے) نے ایک شخص کو اونٹ کی ہڈی کھینچ ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ یہ پہلا خون تھا جو اسلام کے لیے بہایا گیا۔ (۱۰)

یہ وہ سنگین حالات تھے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لے کر دارِ ارقم میں پناہ گزین ہو گئے تا کہ مسلمان پورے اِنہاک سے اپنے رب کے حضور اپنی جبین نیاز کو جھکا سکیں، چنانچہ جلد ہی دارِ ارقم اسلام اور دعوتی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا جہاں پر نہ صرف لوگوں کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا جاتا تھا بلکہ ان کی مناسب تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفس بھی کیا جاتا تھا۔ ابن سعد کی روایت ہے:

كان النبی صلی اللہ علیه وسلم يسكن فيها فی اول الإسلام وفيها يدعو الناس إلى الإسلام فاسلم فيها قوم كثير (۱۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے اسلام میں ہی اس مکان (دارِ ارقم) میں رہتے تھے، لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور بہت سے لوگوں نے یہاں اسلام قبول کیا۔

ابن جریر طبری بھی مکی عہدِ نبوت میں دارِ ارقم کو دعوتی سرگرمیوں کا مرکز قرار دیتے ہیں جہاں پر کثیر لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ چنانچہ حضرت ارقم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وكان داره على الصفا، وهی الدار التی كان النبی صلی اللہ علیه وسلم يكون فيها فی اول الإسلام وفيها دعا الناس إلى الإسلام فاسلم فيها قوم كثير (۱۲)

حضرت ارقم کا گھر کوہِ صفا پر واقع تھا اور یہی وہ گھر ہے جہاں آغازِ اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رہا کرتے تھے۔ یہیں پر آپ لوگوں کو دعوتِ اسلام دیا کرتے تھے اور یہاں پر بہت سے لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

ابن عبدالبر اپنی شہرۂ آفاق کتاب الاستیعاب میں حضرت ارقم کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

وفی دار الارقم بن ابی الارقم هٰذا كان النبی صلی اللہ علیه وسلم مستخفيا من قريش بمكة يدعو الناس فيها إلى الإسلام فی اول الإسلام حتىٰ خرج عنها، وكانت داره بمكة على الصفا فاسلم فيها جماعة كثيرة (۱۳)

دارارقم بن ابی ارقم وہی ہے جس گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں قریش سے پوشیدہ مقیم رہتے تھے۔ کھل کر سامنے آنے سے قبل اسلام میں آپ یہاں پر لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت ارقم کا یہ مکان مکہ میں کوہِ صفا پر واقع تھا چناں چہ یہاں پر بہت بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا۔

دارِ ارقم کے مرکزِ اسلام بننے کے بعد دعوت وتبلیغ کا کام اب قدرے اطمینان کے ساتھ مشرکین کی نظروں سے اوجھل انجام پانے لگا۔ دعوتِ اسلام کا یہ مرحلہ وہ ہے جس میں مکہ مکرمہ کے بے کس، زیردست اور غلام اس نئی تحریک میں اپنی دنیا و آخرت کی نجات تصور کرتے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔ ابن الاثیر نے حضرت عمار بن یاسر اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قبولِ اسلام کے متعلق ایک بڑا دلچسپ واقعہ تحریر کیا ہے:

''ایک دن یہ دونوں حضرات چھپتے چھپاتے اور دبے پاؤں دارِ ارقم کے دروازے پر اکٹھے ہو جاتے ہیں، حیرت واستعجاب سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں پھر گفتگو کا رازدارانہ انداز شروع ہو جاتا ہے۔ عمار بن یاسر خود بیان کرتے ہیں:

میں نے صہیب رومی سے پوچھا: تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟ صہیب نے کہا: تم کیوں کھڑے ہو؟ میں نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں اور ان کی باتیں سنوں۔ صہیب نے کہا: میں بھی تو یہی چاہتا ہوں۔''

چنانچہ یہ دونوں حضرات اکٹھے ہی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔ ان بزرگوں کا اسلام تیس سے کچھ زائد آدمیوں کے بعد ہوا۔(۱۴)

دارِ ارقم نہ صرف ضعفاے اسلام کی جائے پناہ تھی بلکہ یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیم وتربیت کے ساتھ اجتماعی طور پر عبادات، ذکراللہ اور دعاؤں کا سلسلہ ہمہ وقت جاری رہتا تھا۔ اس میں وہ دعا خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب اور (ابوجہل) عمرو بن ہشام میں سے کسی ایک کے قبولِ اسلام کے لیے مانگی تھی۔ ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے (معاذ اللہ) روانہ ہوئے، راستے میں اپنی بہن فاطمہ بنتِ خطاب کے گھر سورہ طٰہٰ کی تلاوت سنی تو کایا ہی پلٹ گئی۔ ان کو مائل بہ اسلام دیکھ کر حضرت خباب بن ارت نے انہیں خوش خبری کے انداز میں بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دارِ ارقم میں یہ دعا کرتے سنا ہے:

اللّٰھم ایّدِ الإسلامَ بابی الحکم بن ھشام او بعمر بن الخطاب (۱۵)

اے اللہ! ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن خطاب سے اسلام کی تائید فرما۔"

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں سے سیدھے دارِ ارقم پہنچے اور اسلام قبول کرلیا۔

دارِ ارقم "دارالاسلام" ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے لیے "دارالشوریٰ" بھی تھا۔ پہلی اور دوسری ہجرت حبشہ جیسے اہم معاملات بھی اسی جگہ باہمی مشاورت ہی سے انجام پائے۔ ابن ہشام کے الفاظ اس مجلسِ مشاورت کی صاف غمازی کررہے ہیں:

قال لھم: لو خرجتم إلی ارض الحبشۃ فإن بھا ملکا لایظلم عندہ احد، وھی ارض صدق، حتی یجعل اللّٰہ لکم فرجا مما انتم فیہ .(۱۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا: اگر تم سرزمین حبشہ کی طرف نکل جاؤ تو وہاں ایک بادشاہ ہے جس کے یہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ وہ سچائی کی سرزمین ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس مشکل سے نجات دلادے جس میں تم گرفتار ہو۔"

ان الفاظ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ خطاب صحابہ کرام کے کسی اجتماع سے ہی ہوگا جو دارِ ارقم میں انعقاد پذیر ہوگا۔ اسی طرح ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام جمع ہوئے اور باہمی مشاورت سے طے کیا کہ قریش نے قرآن کو اپنے سامنے بلند آواز سے پڑھتے ہوئے کبھی نہیں سنا لہٰذا کوئی ایسا شخص ہو جو یہ فریضہ انجام دے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری قبول کی اور قریش کو ان کی مجلس میں جاکر قرآن کی طرف دعوت دی۔(۱۷)

اگرچہ یہ تفصیل معلوم نہیں ہوسکی کہ صحابہ کرام کی یہ مجلس مشاورت کہاں پر منعقد ہوئی تاہم گمان یہی ہے کہ یہ مجلس مشاورت دارِ ارقم ہی میں قائم ہوئی ہوگی کیوں کہ اس کے علاوہ صحابہ کا اجتماع کسی اور جگہ پر مشکل تھا۔

ابتدائی دور کے تذکرہ نگار اور مورخین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دارِ ارقم میں فروکش ہونے کو اتنا اہم اور انقلابی واقعہ تصور کرتے ہیں کہ واقعاتِ سیرت وتذکرۂ صحابہ میں وہ یہ کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ یہ واقعہ دارِ ارقم میں داخل ہونے سے قبل کا ہے اور یہ اس کے بعد کا ہے۔ گویا جس طرح عام الفیل اور حلف الفضول جیسے واقعات کے حوالے سے اہل مکہ اپنی معاصر تاریخ کے واقعات کا تعین کرتے تھے، مسلمان مورخین بھی مکی عہدِ نبوت میں سیرت وتاریخ اسلام کے واقعات کا تذکرہ اور اندراج بھی ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دارِ ارقم میں فروکش ہونے کے حوالے سے کرتے ہیں مثلاً مورخ ابن اثیر نے مسعود بن ربیعہ، عامر بن فہیرہ، معمر بن حارث وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تراجم (تذکروں) میں تصریح کی ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دارِ ارقم میں منتقل ہونے سے قبل مسلمان ہوچکے تھے۔ اسی طرح مُصعب بن عمیر، صہیب بن سنان، طلیب بن عمیر، عمار بن یاسر، عمر فاروق وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے تذکروں میں ابن اثیر نے تصریح کی ہے کہ یہ لوگ دارِ ارقم میں جاکر اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے تھے۔(۱۸)

ابن سعد نے مہاجرین مکہ میں سے اوّلین وسابقین اسلام کے قبول دینِ حق کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ وہ حضرات کون کون تھے جو دارِ ارقم کو دعوتِ دین کا مرکز بنانے کے بعد حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ ابن سعد نے مندرجہ ذیل صحابہ کرام کے

تذکروں میں یہ بات خصوصیت سے ذکر کی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دارِ ارقم میں تشریف فرما ہونے سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے:

حضرت خدیجہ، حضرت ابوبکر، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت زید بن حارثہ، حضرت عبیدہ بن حارث، حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ، حضرت عبداللہ بن جحش، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت خباب بن الارت، حضرت مسعود بن ربیع، حضرت واقد بن عبداللہ، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت ابو سلمہ بن اسد، حضرت سعید بن زید، حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت خنیس بن حذافہ، حضرت عبداللہ بن مظعون اور حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

اسی طرح ابن سعد نے ان بزرگوں کی بھی نشان دہی ضروری سمجھی ہے جو دارِ ارقم کے اندر آ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان صحابہ کرام میں حضرت صہیب، حضرت عمار بن یاسر، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عاقل بن ابی بکر، حضرت عامر بن ابی بکر، حضرت ایاس بن ابی بکر اور حضرت خالد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین شامل ہیں۔ (۱۹)

ابن سعد کے اس طرزِ ترتیب سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک دارِ ارقم کو دینِ حق کی دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز و محور بنانے کا واقعہ ایک ایسا نقطہ تغیر ہے جس نے دنیا کی بے مثال اور انقلابی اسلامی تحریک کو ایک نیا رُخ عطا کرنے میں ایک محفوظ پناہ گاہ اور بے مثال تربیت گاہ کا کام دیا۔ اس بات پر تمام مورخین اور محققین کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبولِ اسلام تک دارِ ارقم میں ہی مقیم رہے۔ جبکہ بعض روایات کے مطابق حضرت عمر نے نبوت کے چھٹے سال میں اسلام قبول کیا تھا۔

البتہ مورخین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارِ ارقم میں کب فروکش ہوئے اور کتنا عرصہ دارِ ارقم مسلمانوں کی پناہ گاہ کا کام دیتا رہا۔ اگر چہ بعض مورخین نے دارِ ارقم میں قیام کی مدت کے حوالے سے چھ ماہ اور ایک ماہ کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ (۲۰)

لیکن اگر مآخذ کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دارِ ارقم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام کافی مدت تک رہا۔ اگر چہ اس مدت کا تعین تو مشکل ہے اور یہ بتانا بھی ممکن نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کب دارِ ارقم میں پناہ گزین ہوئے تاہم مورخین کے بعض نامکمل اشارات سے ہم اس مدت کا اندازہ ضرور کر سکتے ہیں مثلاً ابن اثیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عمر بن خطاب تلوار لٹکائے گھر سے نکلے، ان کا ارادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا تھا (معاذ اللہ)۔ مسلمان بھی آپ کے ساتھ دارِ ارقم میں جمع تھے، جو کوہِ صفا کے پاس تھا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان مسلمانوں میں سے تقریباً چالیس مرد و زن کے ساتھ وہاں پناہ گزین تھے جو ہجرتِ حبشہ کے لیے نہیں نکلے تھے۔ (۲۱)

ابن اثیر کے اس قول سے واضح ہوتا ہے:

(۱) حضرت عمر نے ہجرتِ حبشہ کے بعد اسلام قبول کیا جب کہ ایک دوسری روایت کے مطابق پہلی ہجرت حبشہ ماہِ رجب سن نبوی میں پیش آئی۔ (۲۲)

(۲) دارِ ارقم میں صرف وہ مسلمان پناہ گزین ہوئے تھے جو کسی وجہ سے حبشہ کی طرف ہجرت نہ کر سکے لہٰذا ان باقی ماندہ مسلمانوں کی تعداد تقریباً چالیس تھی، نہ کہ اس وقت تک اسلام قبول کرنے والوں کی کل تعداد ہی چالیس تھی۔

پہلی اور دوسری ہجرتِ حبشہ کا فیصلہ دارِ ارقم ہی میں باہمی مشاورت سے ہوا تھا۔ اس لحاظ سے اگر حضرت عمر کے قبولِ اسلام اور ہجرتِ حبشہ کے درمیانی عرصہ کو شمار کیا جائے تو وہ بھی ایک سال سے زائد ہی بنتا ہے۔ جب کہ یہ بدیہی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرتِ حبشہ سے کافی پہلے دارِ ارقم میں پناہ گزیں ہو چکے تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی ایک دو سالوں میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارِ ارقم میں مقیم ہو گئے تھے۔ مثلاً ابن اثیر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اپنے اسلام لانے کے بعد) دیکھا تو آپ کے ساتھ صرف پانچ غلام، عورتیں اور ابوبکر صدیق تھے۔'' (۲۳)

مجاہد کا بیان ہے کہ حضرت عمار بن یاسر ابتدا میں اسلام قبول

کرنے والے سات آدمیوں میں سے ایک تھے۔(۲۴)
جب کہ اس بات پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے دارِارقم میں جا کر اسلام قبول کیا۔(۲۴)
اس صورت میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتداے اسلام ہی میں دارِارقم میں قیام پذیر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام: اسی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کب اسلام قبول کیا؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔بعض نے کہا ہے کہ اعلانِ نبوت کے پانچویں سال اور بعض نے اعلانِ نبوت کے چھٹے سال۔لیکن علماے محققین کی تحقیق یہ ہے کہ آپ اعلانِ نبوت کے دوسرے سال مشرف بہ اسلام ہوئے۔چنانچہ علامہ ابن حجر جوفنِ رجال کے امام ہیں،تحریر فرماتے ہیں:

واسلم فی السنة الثانیة من البعثة ولازم نصر رسول اللّٰہ وھاجر معه(۲۵)

ترجمہ: آپ(حضرت حمزہ بعثت کے دوسرے سال ایمان لائے اور ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتے رہے اور آپ کے ساتھ ہی ہجرت کی۔

اگر چہ ابن حجر نے نبوی کا قول بھی نقل کیا ہے لیکن قیل کے ساتھ،جو ضعف پر دلالت کرتا ہے۔علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

اسلم فی السنة الثانیة من المبعث(۲۶)

ترجمہ: آپ بعثت کے دوسرے سال ایمان لائے۔

حضرت عمر نے حضرت حمزہ کے مسلمان ہونے کے صرف تین دن بعد اسلام قبول کیا اور علماے محققین کی یہ رائے بھی بیان کی گئی ہے کہ صحیح قول کے مطابق حضرت حمزہ نبوت کے دوسرے سال مشرف بہ اسلام ہوئے۔اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت عمر نے نبوت کے دوسرے سال حضرت حمزہ کے تین دن بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کی۔اس قول کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اکثر علما کی یہ رائے ہے کہ آپ سے پہلے اُنتالیس مرد مسلمان ہو چکے تھے۔آپ کے مسلمان ہونے سے چالیس کا عدد پورا ہوا۔حضرت عمر کا بیان ہے:

لقد رایتنی وما اسلم مع رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم إلا تسعة وثلاثون وکمّلتھم اربعین.(۲۷)

ترجمہ: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف اُنتالیس آدمی اسلام لا چکے ہیں اور میں نے ایمان لاکر چالیس کا عدد مکمل کیا۔

حاصل بحث یہ ہے کہ اگر محققین کے اس قول کا اعتبار کیا جائے کہ حضرت حمزہ اور حضرت عمر نے نبوت کے دوسرے سال ہی اسلام قبول کر لیا تھا تو یہ حقیقت مزید واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ابتدا ہی میں دارِارقم کو اپنی دعوتی سرگرمیوں کا مرکز بنا چکے تھے کیوں کہ اس بات پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ ان دونوں حضرات نے دارِارقم میں ہی جا کر اسلام قبول کیا تھا۔

مورخین اسلام اور سیرت نگاروں کی مذکورہ بالا تصریحات سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں آنے والے طالبانِ حق کو دعوتِ اسلام دیتے تھے اور جو یہاں آیا فیضِ ہدایت پا کر ہی نکلا۔

(۲) دارِارقم اہل اسلام کے لیے اطمینانِ قلب اور سکون کا مرکز تھا بالخصوص نادار،ستائے ہوئے اور مجبور ومقہور اور غلام یہاں آکر پناہ لیتے تھے۔

(۳) یہاں پر ذکر اللہ اور وعظ وتذکیر کا فریضہ بھی مسلسل انجام پاتا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانثاروں کے ساتھ اجتماعی دعائیں بھی فرماتے تھے۔حضرت خباب کے بیان سے تو یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ محسن انسانیت یہاں راتوں کو بھی بندگانِ خدا کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور التجائیں فرماتے تھے۔

(۴) اس مکان میں مبلغین اسلام کی کارکردگی کا جائزہ لیا جاتا تھا،تبلیغ کے آئندہ منصوبے بنتے تھے اور خود مبلغین کی تربیت کا کٹھن کام بھی انجام پاتا تھا۔دارِارقم کے تربیت یافتہ معلّمین میں سے حضرت ابوبکر،حضرت خباب بن ارت،حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۵) دارِارقم مسلمانوں کے لیے دارالاسلام ہونے کے ساتھ ساتھ 'دارالشوریٰ' بھی تھا جس میں باہمی مشاورت سے آئندہ تبلیغ کے منصوبے بنتے تھے۔ہجرتِ حبشہ کا فیصلہ بھی باہمی مشورہ سے یہیں پر طے ہوا اور اس جگہ کو تاریخ اسلام میں وہی مقام حاصل تھا جو قریش کے یہاں 'دارالندوۃ' کو حاصل تھا۔

(۶) دارِارقم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پناہ گزین ہونا ایک تاریخ ساز مرحلہ تھا اور یہ بھی حلف الفضول، حربِ الفجار اور عام الفیل جیسا مہتم بالشان واقعہ تھا جس طرح کفارِ مکہ اپنی معاصر تاریخ کا تعین ان واقعات سے کرتے تھے، اسی طرح مسلمان مورخین بھی مکی عہدِ نبوت میں پیش آنے والے واقعات کا تعین دارِارقم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داخل ہونے سے قبل اور بعد کے حوالے سے کرتے ہیں۔

(۷) حضرت ارقم رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے بہت ابتدا ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا اس لیے بہت ممکن ہے کہ انہوں نے بہت ابتدا ہی میں اپنے مکان کو تبلیغی سرگرمیوں کے لیے وقف کردیا ہو اور آپ ابتدائی سالوں میں ہی دارِارقم کو اپنی دعوتی سرگرمیوں کا مرکز بنا چکے ہوں۔

(۸) مورخین کے مختلف بیانات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ دارِارقم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی مدت ایک سال سے بہرحال زائد تھی۔

(۹) کفارِ مکہ مسلمانوں کے دارِارقم میں پناہ گزین ہونے سے پوری طرح واقف تھے تاہم دارارقم کی اندرونی سرگرمیوں اور منصوبہ بندیوں سے وہ قطعاً ناواقف تھے۔

حاشیہ وحوالہ جات

(۱) صحیح البخاری: کتاب الکفالۃ، باب جوار ابی بکر الصدیق فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعقدہ، حدیث نمبر ۲۲۹۷، ص ۳۶۷ /ایضا: کتاب الصلوٰۃ، باب المسجد فی الطریق، حدیث نمبر ۴۷۶/ایضاً: کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبی واصحابہ اِلی المدینۃ، حدیث نمبر ۳۹۰۵

(۲) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دخول ابی بکر فی جوار ابن الدغنۃ ورد جوارہ علیہ، ج ۱،ص ۴۱۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۵ء

(۳) ابن ہشام، اسلام عمر بن الخطاب، ج ۱،ص ۳۸۲

(۴) السیرۃ الحلبیۃ: ج ۲،ص ۱۳

(۵) السمھودی، نورالدین علی بن احمد، السیرۃ الحلبیۃ، ج ۲،ص ۱۳، دارالنفائس، الریاض

(۶) المستدرک، تذکرہ ارقم بن ابی الارقم، ج ۳،ص ۵۰۲/ ابن اثیر، اسد الغابہ: تذکرہ ارقم بن ابی الارقم، ج ۱،ص ۶۰، داراحیاء التراث العربی، بیروت

(۸) المستدرک، تذکرہ ارقم بن ابی الارقم، ج ۳،ص ۵۰۲

(۹) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، تذکرہ ارقم بن ابی الارقم، ج ۳، ص ۲۴۳، دارصادر، بیروت، ۱۹۸۵ء

(۱۰) ابن ہشام، مباداۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قومہ وما کان منہم، ج ۱،ص ۲۶۳

(۱۱) ابن سعد، تذکرہ ارقم بن ابی الارقم، ج ۳،ص ۲۴۲ / المستدرک، تذکرہ ارقم بن ابی الارقم، ج ۳،ص ۵۰۲

(۱۲) الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۲۳۰، المطبعۃ الحسینیۃ

(۱۳) ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، تذکرہ ارقم بن ابی الارقم، ج ۱،ص ۱۳۱، دارالجلیل، بیروت ۱۹۹۲ء

(۱۴) اسد الغابہ، تذکرہ عمار بن یاسر ج ۴ ص ۴۴

(۱۵) ابن ہشام، اسلام عمر بن الخطاب، ج ۱،ص ۳۸۳/ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲ ص ۵۸، دارالکتب، بیروت، ۱۹۶۷ء

(۱۶) ابن ہشام، ذکر الہجرۃ الاولی الی ارض الحبشہ، ج ۱،ص ۳۵۸

(۱۷) ایضاً: اول من جھر بالقرآن، ج ۱،ص ۳۵۱

(۱۸) تفصیل کے لیے اسد الغابہ میں ان صحابہ کرام کے تراجم ملاحظہ کیجیے۔

(۱۹) ابن سعد: ج ۱،ص ۱۱۵۔۴۲۵۔۲۷۳

(۲۰) حلیۃ الاولیاء: ج ۱،ص ۱۹۲ تا ۱۹۵

(۲۱) الکامل فی التاریخ، ج ۲،ص ۵۸

(۲۲) زادالمعاد: ج ۲،۱۰۰/ تاریخ الامم والملوک: ج ۱،ص ۹۵

(۲۳) اسد الغابہ، تذکرہ عمار بن یاسر، ج ۴،ص ۴۴

(۲۴) ایضاً: (۲۵) ایضاً

(۲۶) الاصابہ، تذکرہ حمزہ بن عبدالمطلب، ج ۱،ص ۳۵۴

(۲۷) اسد الغابہ، تذکرہ حمزہ بن عبدالمطلب، ج ۲،ص ۴۶

●●

سود کی وبا اور بے حیائی

سود اور بے حیائی کی مذمت اور معاشرے پر پڑنے والے اس کے برے اثرات قرآن وحدیث کی روشنی میں

از: حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی

حضرت آدم علیہ السلام صرف پہلے انسان ہی نہیں بلکہ وہ خدا کے اولین پیغمبر بھی تھے ۔آپ کو خالق کائنات نے انسانی زندگی گزارنے کا طریقہ بذریعہ وحی سکھایا۔تب سے آج تک کچھ عمل وہ ہیں جو حرام قرار دیے گئے ہیں،جنہیں محرماتِ اَبدیہ کہا جاتا ہے مثلاً قتل،زنا،شرک،سود وغیرہ ان محرمات میں شامل ہیں۔روزِ اول سے آج تک سود حرام رہا ہے۔کسی دور میں کبھی بھی کسی پیغمبر نے کسی قوم کے لیے سود کو حلال قرار نہیں دیا۔ چناں چہ اللہ کی آخری کتاب جو سارے انسانوں کے لیے ہدایت ہے نظامِ زندگی کے طور پر آخری نبی سید المرسلین کے اوپر نازل فرمائی گئی۔اس میں ربا (سود کو عربی میں ربوٰ کہا جاتا ہے) سود کی حرمت ہمیشہ کی طرح برقرار رکھی گئی بلکہ قرآن مجید میں تو اس قدر ہولناک وعید ہے کہ سود خور طبقہ کو اللہ کی طرف سے اعلان جنگ کا الٹی میٹم دے دیا گیا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ۔ بنی اسرائیل کے انبیاے کرام کی سخت تنبیہ کے باوجود یہود نے مختلف خوب صورت الفاظ میں سود کو عملاً حلال کر لیا تھا اس لیے آخری نبی پر جو کلام الٰہی نازل ہوا ہمیشہ کے لیے غضب خداوندی،لعنت اور جنگ کی وعید ثبت کر دی گئی۔اس کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں:

(ترجمہ) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو،خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمھارا سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر واقعی تم ایمان لائے ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔

(سورہ البقرہ: آیت ۲۷۸،۲۷۹)

اس آیت کے نازل ہوتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ان قبیلوں کو جو سود کھاتے تھے،آگاہ کر دیا کہ اگر وہ سودی کاروبار اور لین دین سے باز نہ آئے تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی۔بعض فقہانے لکھا ہے کہ جو سود خوری اور اس کے کاروبار سے باز نہ آئے تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی۔بعض فقہانے لکھا ہے کہ اسے قید کرنے پر اکتفا کیا جائے جب تک وہ سودی کاروبار سے باز نہ آ جائے۔سودی خرابیوں کا ذکر قرآن میں متعدد جگہ آیا ہے۔ ہر طرح کے سود سے منع کیا جا رہا ہے۔زمانہ جاہلیت میں سود کا یہ رواج عام تھا کہ جب ادائیگی کی مدت آ جاتی اور ادائیگی ممکن نہ ہوتی تو زیادہ سود کے ساتھ مدت بڑھا دی جاتی۔ یہاں تک کہ وہ رقم دوگنی تین گنی سے بھی زیادہ ہو جاتی جسے سود مرکب کہا جاتا ہے۔ یعنی موجودہ Compound Interest جو پوری رقم پر لاگو ہوتا ہے۔اس ظالمانہ نظام کو اسلام نے ختم کر دیا اور حکم دیا کہ اگر اس سے باز نہ آئے تو اس عذاب میں مبتلا کیے جاؤ گے جو کفار کے لیے تیار کیا گیا ہے۔دنیا کے لوگ دولت کی فراوانی کو کامیابی سمجھتے ہیں خواہ اس کے لیے جائز ناجائز،حلال وحرام کی تمیز کیے بغیر حاصل کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اس میں فلاح نہیں۔فلاح متقی بننے یعنی خدا کے خوف میں ہے۔سودی خرابیوں سے بچنے کے لیے زبر دست تاکید ہے اور قرآن واحادیث میں اس کی خرابیوں اور وبال سے آگاہی دی گئی ہے۔شرک کے بعد سود خوری کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جس لب ولہجے کا استعمال کیا گیا وہ کسی اور گناہ کے متعلق نہیں کیا گیا۔اعلان جنگ کی بات کوئی معمولی بات نہیں ہے۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے،کھلانے والے،سود کی تحریر لکھنے والے اور سود پر گواہ بننے والے پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ یہ سب اگر چہ مختلف مراتب کے ہیں مگر نتیجتاً گناہ میں سب برابر کے شریک ہیں۔(مسلم: ۲/۲۷)

سود کا وبال:

سود کے وبال ۷۳ قسم کے ہیں۔ان خرابیوں میں سے ادنیٰ اور کمتر قسم ایسی ہے جیسے کوئی شخص (معاذ اللہ) اپنی ماں کے ساتھ منھ کالا (زنا) کرے۔(المستدرک ۲/۳۷)۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی

اللہ عنہ سے مروی حدیث پاک میں سود کے بارے میں سخت وعید کے الفاظ آئے ہیں۔حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک درہم کوئی سود حاصل کرے، اللہ کے نزدیک مسلمان ہونے کے باوجود ۳۳ بار زنا کرنے سے بھی زیادہ بڑا جرم ہے۔(شعب الایمان للبیہقی :۳۹۲/۴)

بخاری و مسلم کی ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سات ہلاک و برباد کرنے والی چیزوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے اور ان سات چیزوں میں (۱) شرک (۲) جادو (۳) قتل ناحق (۴) میدانِ جنگ سے فرار (۵) تہمت لگانا (۶) یتیم کا مال ناحق کھانا (۷) سود خوری کا ذکر صریح سے فرمایا۔ (بخاری: جلد اول، حدیث ۳۸۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ چار شخص ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم فرمالیا ہے کہ ان کو جنت میں داخل نہیں کریں گے اور نہ ان کو جنت کی نعمتوں کا ذائقہ چکھائیں گے۔(۱) عادی شرابی (۲) سود کھانے والا (۳) ناحق یتیم کا مال اڑانے والا (۴) ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا۔(المستدرک:۲/ ۳۷)

سود کے ۷۲ گناہ ہیں۔ان میں سب سے چھوٹا گناہ اس شخص کے برابر ہے جو مسلمان ہوکر اپنی ماں سے زنا کرے۔اور ایک درہم سود کا گناہ اور زیادہ ۳۰ زنا سے زیادہ بدتر ہے۔حضرت حنظلہ (شہیدِ اسلام، غسیل الملائکہ، جن کو فرشتوں نے غسل دیا تھا) کے صاحب زادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کا ایک درہم جسے کوئی جانتے ہوئے استعمال کرے ۳۶ مرتبہ زنا سے زیادہ شدید (بڑا) جرم ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو سود کھانے والا نہ ہو اور اگر کوئی سخت احتیاط کرے گا بھی کہ سود اپنے اختیار سے نہ کھائے تب بھی سود کے غبار اور اثر سے محفوظ نہ رہ سکے گا۔(ابوداؤد و نسائی)

چودہ سو سال پہلے اللہ کے بھیجے ہوئے بشیر و نذیر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی آخر کار وہ گھڑی آن پہنچی کہ آج روئے زمین پر (کچھ ہی متقی لوگوں کو چھوڑ کر) پوری اولادِ آدم اس لعنت میں گرفتار ہے۔عالمی تجارت کی بنیاد سودی بینک پر منحصر ہے۔ تجارت ہو زراعت ہو یا صنعت یا مزدوری ہو۔اس سود سے کسی نہ کسی پہلو سے ضرور ہی غبار آلود ہے۔تجارت کا کوئی شعبہ بھی بغیر سودی بینک کے سہارے آگے نہیں بڑھتا۔کھلے سودی کاروبار کے علاوہ یہود اور اہرمن نے گھٹہ جوڑ کرکے اس سود کو ایسے حسین لفظوں میں ڈھال کر میٹھی گولی کی شکل دے دی ہے جیسے قتل اولاد کو خاندانی منصوبہ بندی، پریوار کلیان یا فیملی پلاننگ کی پرفریب اصطلاحوں میں چھپا کرنہ صرف اس بدترین درندگی کو گوارا کرلیا ہے بلکہ اسے ترقی اور روشن خیال بنادیا گیا ہے اور پوری دنیائے انسانیت **ظھر الفسا د فی البر و البحر** کی چکی میں پس رہی ہے اور کراہ رہی ہے۔

سود اور بدکاری قہرِ الٰہی کا موجب:

Indian Centre for Islamic Finance کے مطابق آج دنیا ایک معاشی اور مالیاتی بحران سے دوچار ہے۔لندن، پیرس، نیویارک، ہانگ کانگ، سنگاپور اور سوئٹزر لینڈ و امریکہ میں حاشیہ پر زندگی گزارنے والی عوام نے اپنی ضرورتوں اور مکانوں کے لئے قرضہ لیا اور پھر ان پر سود در سود کی ادائیگی میں ناکامی کے پیچیدہ عمل نے بڑے بڑے سرمایہ داراداروں اور بینکوں کو دیوالیہ ہونے کے دہانے پر کھڑا کردیا ہے۔اس بحران نے ایک طرف جدید معاشی سودی نظام کے منفی اثرات اور نقصان دہ نتائج کو دنیا کے سامنے ابھار کر پیش کردیا ہے اور دوسری طرف اس نے اسلامی نظام معیشت جو کہ بلا سودی طریقہ پر مبنی ہے، پوری دنیا کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے اور اس پر عمل کرنے دعویٰ پیش کیا ہے۔سود کی بے برکتی اور نحوست کے وبال کو قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ سود کو ہلاک (مٹاتا) کرتا ہے اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ہے، پسند نہیں کرتا ہے ہر ناشکرے گنہگار کو(البقرہ: آیت ۲۷۶)۔

سود اور صدقہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔صدقہ میں اپنا مال دوسرے کو دیا جاتا ہے اور سود میں دوسرے کا مال بلا مالی معاوضہ کے لے لیا جاتا ہے۔صدقہ کی غرض رضائے الٰہی اور ثوابِ آخرت ہوتی ہے جبکہ سود کی غرض اللہ کے غضب سے نڈر ہوکر اپنی دولت بڑھانے کا لالچ ہوتا ہے۔نتیجہ کا فرق قرآن بتاتا ہے۔اللہ سود سے حاصل ہونے والے مال و دولت کی برکت و خیر کو ختم فرمادیتا ہے جبکہ صدقہ کرنے والے مال کو اور اس کی برکت کو بڑھا دیتا ہے۔سود خور محروم کردیا

جاتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: سود کا مال اگر چہ بڑھ جاتا ہے مگر اس کا انجام ہمیشہ بے برکتی اور کمی کی شکل میں آتا ہے۔ چوں کہ سود حرام ہے اور حرام میں برکت نہیں۔ ایک حدیث میں ہے: حلال اگر چہ کم ہو لیکن اللہ نے اس میں برکت رکھی ہے۔

بے حیائی کا وبال:

بے حیائی اور زنا سے سو طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ خاندان و معاشرہ برباد ہوتا ہے۔ مرد اور عورت کے تعلقات میں تناؤ اور کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔ نسل و نسب کی خرابی پیدا ہوتی ہے، آزادانہ بے حیائی، زنا کاری سے جو بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں وہ کینسر سے بھی خراب ہوتی ہیں۔ AIDS اور HIV کے بیمار دردر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، خاندانی رشتہ دار بھی ان سے ڈر اور خوف کی وجہ سے منھ موڑ لیتے ہیں کہ کہیں وہ اس کے شکار نہ ہو جائیں۔ ارشاد رب العزت ہے: زنا کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے اور بہت برا راستہ ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل: آیت ۳۲) دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے بہت ستھرا ہے۔ اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے۔ اور مومن عورتوں سے فرما دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ (القرآن سورہ نور، آیت ۳۰)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی قوم میں سود اور زنا عام ہو جائیں تو وہ خود کو اللہ کے عذاب کا مستحق بنا لیتی ہیں۔ آج یہی صورتِ حال ہمارے سامنے ہے۔ سود کے لین دین اور بدکاری کے فروغ نے واٹس اپ، فیس بک وغیرہ وغیرہ جس میں ۸۰ فیصد سے زیادہ ننگی تصویریں دیکھی جاتی ہیں (حالیہ اخباری رپورٹ)۔ اس کا اثر سماج میں دیکھا جارہا ہے۔ ہر روز ریپ کیس اخبارات اور ٹی وی میں سنے اور دیکھے جارہے ہیں۔ اچھے اور نیک لوگوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ عام لوگوں کے لئے یہ روز کی روٹین میں شامل ہوگئی ہے۔ ہماری انہی بداعمالیوں کا خمیازہ قدرتی آفات کی شکل میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ احادیث کی صراحت کے مطابق کسی قوم، خطے اور معاشرے پر اجتماعی آفت و عذاب کے آنے کا ایک بنیادی سبب سودی کاروبار، سودی لین دین اور بے حیائی و بے شرمی، زنا کاری کا عام چلن ہوتا ہے۔ اس وقت پوری دنیا میں فحاشی کا جو سیلاب بلا خیز آیا اور چھایا ہوا ہے وہ قربِ قیامت کی علامت ہے جس کی پیشین گوئی احادیث مبارکہ میں جابجا فرمائی گئی ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایسی عورتیں کثرت سے ہوں گی جو بظاہر لباس میں ہوں گی مگر لباس اتنا باریک اور چست ہوگا کہ اس سے جسمانی خد و خال اس درجہ نمایاں ہوں گے کہ درحقیقت وہ برہنہ ہوں گی۔ وہ خود مردوں کی طرف مائل ہوں گی اور مردوں کو بھی اپنی جانب مائل کریں گی۔ ایسی عورتیں جنت کی خوشبو سے بھی محروم کر دی جائیں گی۔ (مسلم جلد اول/۳۹۴)

یہی وجہ ہے کہ بے حیائی، بے پردگی اور بدکاری کی لعنت اللہ کے عذاب کو دعوت دیتی ہے۔ اسلام نے حیا اور پردہ کا معقول انتظام انسانیت کو دیا ہے اور ہر راستہ بے حیائی کا بند کر دیا ہے۔ قرآن مجید نے زنا کو صاف الفاظ میں بے حیائی کا عمل اور ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ بے حیا انسان کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حیا اور ایمان کے درمیان گہرا رشتہ ہے۔ بے حیا مومن نہیں ہوسکتا اور مومن بے حیا نہیں ہوسکتا۔ (الادب المفرد للامام بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شرم و حیا کے بغیر انسان کی زندگی ایسی ہے جیسے چھلکے کے بغیر لکڑی یعنی انسان بالکل ننگا اور بے پردہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ بہت ساری برائیوں میں گرنے سے روکنے والی چیز حیا ہوتی ہے۔ حیا ایمان کا حصہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے پردہ ہونے سے بچو، یقیناً تمہارے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں جو تم سے صرف اس وقت الگ ہوتے ہیں جب تم قضائے حاجت کے لیے جاتے ہو اور جب تم اپنی بیوی کے پاس جاتے ہو اس لئے ان فرشتوں سے حیا کرو اور ان کی عزت کرو۔ اس دنیا میں ہمارا وجود عارضی اور چند روزہ ہے۔ یہاں کی رنگینیاں محض چند روزہ ہیں، ابدی زندگی صرف آخرت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں جہنم کی آگ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔ (آل عمران: آیت ۱۸۵) ہمیں اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ ہمارا نفس، نفس مطمئنہ ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نفس کی لغزشوں، شرارتوں اور شیطان کی چالوں سے محفوظ رکھے۔ ہماری غلطیوں پر پردہ ڈال دے اور خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ آمین!

●●

انوکھی فکر وتدبیر

از: مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری

نماز کی اہمیت وفضیلت اہل ایمان کے نزدیک مسلمات سے ہے اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ نماز اہم الفرائض اور افضل العبادات ہے، قرب خداوندی اور رضاے الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ بھی۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی مسلّم ہے کہ آج نماز ہی سے زیادہ غفلت برتی جاتی ہے، جو ایک طرف توضُعفِ ایمان کی دلیل ہے اور دوسری طرف حُبِّ دنیا وعیش پرستی کی بھی علامت ہے، ایسے ماحول میں ضرورت ہے کہ نماز کے فضائل وبرکات تقریروں، تحریروں دونوں طرح سے اُجاگر کیے جائیں۔ جمعے کی تقریروں اور دینی کانفرنسوں میں بھی فضائل نماز پر مسلسل روشنی ڈالی جائے اور کانفرنسوں میں نماز پر بولنے کے لیے کسی ایک مقرر کو خاص کر دیا جائے، حتیٰ کہ محافل میلاد شریف کے بیانات میں بھی ایک حصہ نماز کی تاکید کا ضرور رکھا جائے، یوں ہی نماز کے موضوع پر چھوٹی بڑی کتابیں اور اشتہارات بھی شائع کر کے مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ پھیلائی جائیں بلکہ گھر گھر پہنچائے جائیں اور اس میں مقامی زبانوں کو ترجیح دیا جائے، تاکہ لوگ بآسانی پڑھ، سمجھ سکیں۔

فضائل کے ساتھ ساتھ ترکِ نماز کی وعیدیں بھی بیان کی جائیں، گھروں اور مدارس کے ذمے دار حضرات بھی اپنے ماتحتوں کو صرف نماز کی تاکید ہی نہ کریں بلکہ ترک وغفلت پر سخت سے سخت سزائیں بھی دیں۔ یوں ہی اہل ثروت کارخانے دار مسلمان، اپنے مزدوروں کو نماز کی تاکید کریں، انھیں نماز کا پابند بنائیں بلکہ ملازمت میں نماز کی شرط لگا دیں یا کم از کم نمازی ملازمین کو ترجیح دیں، ہوسکے تو اپنے نمازی ملازمین کی مزدوری میں بطور انعام کچھ اضافہ کر دیں۔ اس طرح حاجت مند مزدور بہ آسانی نمازی بن جائیں گے، اور وقتاً فوقتاً نماز کی اہمیت پر وعظ ونصیحت اور ترغیب وترہیب کی محافل کا بھی اہتمام کیا جائے تاکہ صرف عادت کے طور پر یا محض زور زبردستی کے بجاے خدا کی عبادت سمجھ کر پورے اخلاص اور حسن نیت کے ساتھ نمازیں ادا کی جائیں، اور نماز محض رسم بن کر نہ رہ جائے کیونکہ نماز کے حقیقی ثمرات وبرکات اسی وقت مرتب ہوں گے جب کہ اسے ظاہری وباطنی آداب سے آراستہ کر کے صحت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کیا جائے۔

بڑی بڑی کانفرنسوں اور جلسوں میں بالعموم دیکھا جاتا ہے کہ دیگر ضروریات وسہولیات پر تو ہزاروں اور کہیں کہیں لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں، غیر ضروری سجاوٹ پر بھی خوب توجہ دی جاتی ہے لیکن نماز کے انتظامات سے یکسر غفلت برتی جاتی ہے۔ نہ وضو کے لیے پانی اور لوٹوں کا انتظام ہوتا ہے اور نہ ہی استنجا خانے وغیرہ کا، نہ ہی وقت پر اذان وجماعت کا کوئی خاص اہتمام ہوتا ہے جس کی وجہ سے کتنے نمازوں کے پابند حضرات بھی وقت پر نماز نہیں پڑھ پاتے بلکہ کچھ کی تو نمازیں ہی قضا ہو جاتی ہیں، ان جلسوں، کانفرنسوں سے کسی کا نمازی بننا تو بہت دور کی بات ہے ! جب کہ کانفرنسوں کا اصل مقصد دین ہی کی تبلیغ واشاعت ہے، مگر افسوس کہ اسی پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔

اس غفلت ولاپرواہی کا ایک بڑا سبب تو یہ ہے کہ اکثر وبیشتر جلسہ و کانفرنس کرانے والے خود ہی بے نمازی ہوتے ہیں، وہ دوسروں کی نماز کے بارے میں کیا فکر کریں گے؟ ہاں جو اجلاس اور کانفرنسیں پابند شرع حضرات کی زیر نگرانی منعقد ہوتی ہیں جیسے دینی مدارس کے اجلاس یا جن کے ذمہ دار اکثر علما ہوتے ہیں ان میں تو ضرور، بآسانی نماز کا معقول انتظام واہتمام کیا جاسکتا ہے اور اگر ایسا کیا گیا تو یہ اہتمام دوسری کانفرنسوں اور جلسوں کے لیے نمونہ بھی بن جائے گا۔ لیکن افسوس بسا اوقات جلسوں ہی کے دن نمازوں سے غفلت بڑھ جاتی ہے۔ اور جہاں کہیں معلوم ہو کہ بانیان اجلاس نمازوں سے غافل ہیں وہاں علما اور واعظین کو چاہیے کہ انھیں غیرت دلائیں " کہ آپ لوگ جب خود ہی عمل نہیں کرتے تو دوسروں کی اصلاح کا سامان کیسے فراہم کریں گے؟ "امید ہے کہ ان تدابیر پر عمل کرنے کرانے سے ضرور نمازیوں کی تعداد بڑھ جائے گی، کانفرنسوں اور جلسوں کے مقاصد پورے ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارا معاشرہ بھی تیزی کے ساتھ سدھرتا سنورتا نظر آئے گا۔

اس زمانے میں نمازوں کی پابندی کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ عالمی سنّی تحریک "دعوت اسلامی یا سنی دعوت اسلامی" سے اپنے آپ کو وابستہ کر لیا جائے، ان کے اجتماعات کا انعقاد عمل میں لایا جائے اور جو حضرات کسی وجہ سے ان میں شمولیت پسند نہیں کرتے انھیں چاہیے کہ کوئی اپنی اصلاحی تحریک تشکیل دیں جو مسلمانوں میں نمازوں کے فروغ دینے، نمازیں سکھانے، بے نمازیوں کو نمازی بنانے کی جدوجہد کرے، کیوں کہ عقائد کی اصلاح کے ساتھ سنی مسلمانوں کو نمازی بنانا بھی بے حد ضروری ہے۔

●●

فیس بک پر جھوٹے لائکس کا فتنہ

سوشل میڈیا پر ہم ایک دوسرے کی POSTS پر LIKES یا COMMENTS کر کے آپس میں دھوکہ تو نہیں دے رہے؟

از: ارم فاطمہ شیخ

فیس بک کی کئی آزمائشوں میں ایک اہم فتنہ لائکس کا فتنہ ہے۔ عام طور پر ہم سب ایک دوسرے کی پوسٹوں کو لائیک کرتے ہیں تو اس کے پیچھے کئی اسباب ہوتے ہیں جن میں کسی کی تعریف کرنا، حوصلہ افزائی کرنا، اپنے دلی جذبات کا اظہار کرنا یا پھر محض بتانا ہوتا ہے کہ ہم نے پڑھ لیا ہے۔ اس عمل میں عمومی طور پر کوئی قباحت نہیں۔ مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم جھوٹے لائکس اور کمنٹس کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسا کرنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ سامنے والا بھی جواب میں ہماری پوسٹوں کو لائک کرے اور اچھے کمنٹس کرے۔ گویا کہ یہ لائکس اور کمنٹس کی ایک باہمی تجارت ہو رہی ہوتی ہے۔ اسے فارسی میں میں کہتے ہیں کہ

من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو

یا اسے انگلش میں کہتے ہیں :You scratch my back and Ill scratch yours

اگر اس قسم کے معاملات ایک حد میں رہیں یہ تو زیادہ نقصان دہ نہیں لیکن ایک حد سے زیادہ جب یہ عمل بڑھ جائے اور انسان ہر وقت محض جھوٹے لائکس اور مبالغے پر مبنی کمنٹس کرتا رہے تو اس سے دو طرفہ نقصان ہوتا ہے۔ پہلا نقصان تو اس شخص کو ہوتا ہے جو یہ کام کر رہا ہوتا ہے۔ اس کے اندر ایک قسم کا دوغلہ پن، منافقت اور چاپلوسی کا رویہ جنم لے سکتا ہے۔ چنانچہ ایسا شخص اپنے ظاہر میں ایک بہت ملنسار، سلجھا ہوا، خوش اخلاق اور محبت کرنے والا شخص نظر آتا ہے لیکن وہ چونکہ یہ سب کچھ ایک خاص مقصد کے لیے مبالغہ آمیزی سے کام کر رہا ہوتا ہے تو اس کا باطن اندر سے ایک مختلف شخصیت کا حامل ہوتا ہے۔ ظاہر و باطن کا یہ تضاد جب بڑھتا جاتا ہے تو زندگی کے دوسرے معاملات میں بھی یہ احاطہ کرنے لگتا ہے اور یہ منافقانہ طرز عمل اس پر حاوی ہونے لگ جاتا ہے۔

اس کا دوسرا نقصان اس شخص کو ہوتا ہے جس کی جھوٹی تعریف کی گئی ہو۔ وہ شخص غلط طور پر خود کو ویسا ہی سمجھنے لگتا ہے جیسا کہ تعریف کرنے والے لوگ اسے غلط طور پر دکھا رہے ہوتے ہیں۔ وہ شخص خود کو اسی دھوکے میں مبتلا کر دیتا ہے جس میں تعریف کرنے والے مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ بعض اوقات وہ جانتا ہے کہ یہ سب کچھ جھوٹ ہے، دھوکہ ہے، فریب ہے لیکن وہ اس کے باوجود اس پرفریب تعریف سے باہر نہیں نکلنا چاہتا۔ اس کے بعد یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص عملی زندگی میں بھی خود کو وہی سمجھنے لگ جاتا ہے جیسا کہ جھوٹی تعریفوں اور کمنٹس نے اسے سمجھایا ہوتا ہے۔ اس سے جو نقصان ہوتا ہے اس کا اسے اندازہ تک نہیں ہوتا۔ اسی بات کو ایک روایت میں بڑی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو سنا، وہ کسی آدمی کی تعریف کر رہا تھا اور تعریف میں اسے بہت بڑھا چڑھا رہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس کو ہلاک کر ڈالا یا تم نے اس آدمی کی کمر توڑ دی۔ (مسلم شریف: حدیث نمبر ۷۵۰۴)

گویا کہ اس کا نقصان سب سے زیادہ ایسا سمجھنے والے ہی کو ہوتا ہے۔ ایک شخص کو اگر یہ یقین دلایا جائے کہ تم ماہر ڈرائیور ہو اور تم کار چلا سکتے ہو اور اگر وہ اس تعریف کے جھانسے میں آ بھی جائے تو بھی وہ کار نہیں چلا سکتا۔ اور جب بھی زندگی کے عملی میدان میں وہ کار چلائے تو حادثے کے علاوہ کچھ نہیں حاصل ہوگا۔

جھوٹی یا مبالغہ آمیز تعریف کو سمجھنے کے لیے فرض کریں کہ ایک شخص نے کوئی کوٹ لکھا یا کوئی تحریر لکھی۔ اس تحریر میں ممکن ہے کہ زبان و بیان، مضمون، تجزیے اور تراکیب کی بے شمار غلطیاں ہوں اور یہ بات پڑھنے والوں کو پتا بھی ہو۔ لیکن چوں کہ وہ شخص اکثر پڑھنے والوں کا دوست ہے اور ان کی پوسٹوں کو بھی لائک کرتا ہے تو وہ بھی اس کی پوسٹوں کو لائک کر کے بے حد تعریف کے کمنٹس لکھ دیتے ہیں۔ اس

کے بعد وہ شخص کچھ عرصے بعد اپنے آپ کو بہت بڑا لکھاری، تجزیہ نگار، مفکر، عالم دین اور پتانہیں کیا کیا سمجھنا شروع کر سکتا ہے۔

ان جھوٹی تعریفوں اور ایموشنل لائکس کا ایک اور نقصان بہت تباہ کن ہے۔ یہ جھوٹی تعریفوں اور بناوٹی کمنٹس کا سلسلہ جب ایک لڑکے اور لڑکی کے درمیان ہوتا ہے تو ایٹم بم سے زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے۔ عام طور پر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں تعریفوں سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں کیوں کہ وہ اپنی شناخت قائم کرنے کے عمل سے گذر رہے ہوتے ہیں۔ ایسے میں کوئی بھی غلط کردار کا لڑکا کسی معصوم لڑکی کو بآسانی ورغلا دیتا ہے یا کوئی لڑکی بآسانی کسی لڑکے کو غلط اقدام پر مجبور کرسکتی ہے۔ خاص طور پر ایک فلرٹ کرنے والا لڑکا جانتا ہے کہ لڑکی کی خوب صورتی، وجاہت، حسن، لباس، کلام یا کسی اور پہلو کی تعریف میں مبالغہ آمیزی پیدا کر کے بہت آسانی سے اسے جذباتی طور پر اپنا غلام بنا سکتا ہے۔

جھوٹی تعریفوں کا ایک اور پہلو مذہبی ہے۔ اکثر مذہبی اسکالرز یا اسکالرز سمجھے جانے والے لوگوں کے ان باکس میں خواتین وحضرات کے میسیجز آتے ہیں۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ خواتین کے نفسیاتی مسائل نسبتا زیادہ ہوتے ہیں اس لیے وہ نفسیاتی ایشوز کو مذہبی سمجھ کر اس شخص کے ساتھ ڈسکس کر رہی ہوتی ہیں جس کو وہ اپنی دانست میں مذہبی یا ایک سمجھدار اور سلجھا ہوا شخص سمجھتی ہیں۔ جوں جوں مسائل کو ڈسکس کیا جارہا ہوتا ہے تو خاتون کا نفسیاتی طور پر اس شخص پر انحصار بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں شیطان کی دراندازی کے امکانات کئی گنا بڑھ جاتے ہیں۔ اگر اس مذہبی شخص کی شخصیت میں خامی ہو یا وہ دانائی اور حکمت سے کام نہ لے تو خاتون بہت زیادہ اس شخص پر انحصار کرنے لگ جاتی ہے۔ یہ معاملہ ایسے شخص کے لیے بھی ایک آزمائش ہوتا ہے۔ اس کا نفس اسے یہ سب کچھ اچھا کر کے دکھاتا ہے کہ کوئی خاتون اس پر انحصار کر رہی ہے۔ چنانچہ وہ جانتے بوجھتے بعض ایسی غیر اخلاقی حرکتیں کر سکتا ہے جو بظاہر تو بے ضرر ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں ایک مذہبی شخص کو زیب نہیں دیتیں۔ ایسے شخص پر اس وقت دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ایک تو یہ اسے خود نفس کی آلودگی سے بچنا ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ اسے دوسرے فریق کو بھی ممکنہ آلودگی سے بچانا ہوتا ہے۔

اب اس مضمون کے بعد چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ

(۱) کیا فیس بک پر پوسٹوں کو لائک ہی نہ کیا جائے؟

ضرور لائک کیا جائے۔ لائک کا مطلب صرف پسند کرنا ہی نہیں بلکہ ایکنالج (Acknowledge) کرنا بھی ہوتا ہے کہ ہم نے پوسٹ پڑھ لی ہے۔ البتہ جذباتی ایمائی کونز (Emoticons) جیسے لو (Love)، اسمائل (Smile)، تعریفی کمنٹس وغیرہ کو اسی وقت استعمال کیا جائے جب واقعتاً پوسٹ کے مواد میں کوئی ایسی بات ہو جس نے آپ کو مجبور کر دیا ہو۔ اسی طرح لائکس محض اس لیے نہیں کرنے چاہیے کہ آپ کو بھی جواب میں لائکس ملیں۔

(۲) بعض اوقات ہم پوسٹ سے اتفاق نہیں کرتے البتہ حوصلہ افزائی کے لیے اچھے کمنٹس لکھ دیتے ہیں تو کیا یہ غلط ہے؟

حوصلہ افزائی کے لیے بھی کمنٹس لکھنے پر کوئی اعتراض نہیں البتہ یہ کمنٹس ایسے ہوں کہ اس میں جھوٹ یا مبالغہ کا عنصر شامل نہ ہو نیز اس اسلوب میں بات بیان ہو کہ ہمارا دوست کہیں کسی غلط فہمی، تکبر یا انا پرستی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اسی بات کو روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی نے لامحالہ اپنے بھائی کی تعریف کرنی ہو تو اس طرح کہے: میں سمجھتا ہوں کہ فلاں (اس طرح ہے) اگر وہ واقعی اس کو ایسا سمجھتا ہو۔ (یا پھر کہے) اور میں اللہ (کے علم) کے مقابلے میں کسی کی خوبی بیان نہیں کرتا۔ (مسلم شریف حدیث نمبر: ۷۵۰۲)

البتہ وہ پوسٹ جسے ہم خود غلط سمجھتے ہوں، اس پر داد وتحسین کے ڈونگرے برسانا غلط ہے۔ ایک غلط پوسٹ کے جواب میں یہ لکھنا کہ بہترین پوسٹ ہے، یہ جھوٹ ہوگا۔ البتہ آپ اس پوسٹ پر کوئی منفی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے اور اپنا کمنٹ بھی پوسٹ کرنا چاہتے ہیں تو جزاک اللہ، اللہ ہدایت عطا فرمائے یا اس قسم کی کوئی بات لکھ سکتے ہیں جس سے پوسٹ کرنے والے کو بھی گراں نہ گذرے، جھوٹ کا گمان بھی نہ ہو اور آپ اپنا کمنٹ بھی پوسٹ کر دیں۔

(۳) اگر کسی کی پوسٹ میں کوئی غلط بات ہو تو کیا ہم اپنے کمنٹ میں اس غلطی کی نشان دہی کر سکتے ہیں؟

اگر پوسٹ میں غلط بات ہو تو اس پر ردعمل کے کئی طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے۔ یہ اس وقت موزوں ہوتا ہے جب آپ کو علم ہو کہ مخاطب آپ کے منفی کمنٹس کو اصلاحی طور

پر لینے کی بجائے انتقامی طور پر لے گا۔ ایسا ایک دو مرتبہ کے تجربے سے پتا چل جاتا ہے۔ دوسرا حل یہ ہے کہ کمنٹ کا جواب پبلک میں دیا جائے۔ ایسا کرنے کے لیے یہ احتیاط لازمی ہے کہ الفاظ کا چناؤ بہت اچھا ہو اور لہجہ اتنا نرم ہو کہ اس سے نفرت، تکبر، حسد، کینہ یا بدگمانی کی بجائے اصلاحی پہلو واضح ہو۔ جیسے ایک شفیق باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے۔ ایسا کرنا بعض اوقات اس وقت بھی ضروری ہو جاتا ہے جب پبلک کو بھی پوسٹ کے اس غلط پہلو سے آگاہ کرنا لازم ہوتا ہے۔

تیسرا حل یہ ہے کہ پوسٹ کرنے والے کو ان باکس میں میسیج کر دیا جائے کہ یہ پہلو غلط معلوم ہوتا ہے۔ یہ اس وقت بہتر ہوتا ہے جب منفی کمنٹس سے مخاطب اپنی ہتک محسوس کرتا ہو یا اصلاح کی بجائے فساد کا امکان زیادہ ہو۔ لیکن ایسا کرتے وقت بھی بات کو اس طرح پیش کیا جائے کہ سامنے والا کچھ غلط محسوس نہ کرے۔

چوتھا حل یہ ہوسکتا ہے کہ پوسٹ کی غلطی واضح کرنے کے لیے ان باکس میں بات کی جائے لیکن سختی کا عمل اپنایا جائے اور سخت لہجے میں اس پر بات واضح کی جائے۔ ایسا اس وقت مناسب ہے جبکہ مخاطب سے رشتہ استاد، سینئر، بڑے بھائی باپ یا ماں کا ہو۔ لیکن ایسا اسی وقت مناسب ہے کہ سامنے والا ہمیں وہ عزت دیتا ہو جو ہم اس سے توقع کر رہے ہیں لیکن ایسا بہت ہی اہم اور ناگزیر معاملات میں کرنا چاہیے۔

ان تمام معاملات میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس طرح ہماری رائے کے مطابق اس کی پوسٹ کا کوئی پہلو غلط ہے تو عین ممکن ہے کہ وہ شخص اس کو دل و جان سے درست سمجھ رہا ہو۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ ہماری رائے ہی غلط ہو۔ چنانچہ اس احتمال کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ہماری رائے درست ہے، اس امکان کے ساتھ کہ وہ غلط بھی ہوسکتی ہے۔

(۴) اگر کوئی ہماری تعریف کرے تو کیا اس پر خوش نہیں ہونا چاہیے؟

کسی کی تعریف پر خوش ہونا ایک فطری معاملہ ہے۔ البتہ یہ خوشی اس وقت بہت خطرناک بن جاتی ہے جب ہم اسے نشے کی طرح انجوائے کرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ جب ہمیں کسی خاص شخص یا خاص لوگوں کی تعریف کچھ عرصے نہ ملے اور ہم دل میں ملول ہونے لگیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ ہم اس تعریف کے عادی ہو چکے ہیں۔ یہ رویہ بذات خود ایک خطرناک معاملہ ہے اور اس کا وہی نقصان ہوتا ہے جو ہیروئین کے نشے کا ہوتا ہے۔ اس طرح ہم تعریف کرنے والوں کے ہاتھوں یرغمال بن سکتے ہیں اور بعض اوقات ان کی جائز و ناجائز مطالبات کو ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

(۵) ہمیں کس طرح معلوم ہو کہ سامنے والا شخص جھوٹی تعریف کر رہا ہے؟

اگر ہماری تعریف صرف ایک خاص شخص ہی کر رہا ہے اور باقی لوگ یہ نہیں کر رہے ہیں تو اس پر ضرور سوچنا چاہیے۔ اسی طرح اگر ہمیں اچھے کمنٹس اور اور لائکس اس وقت مل رہے ہیں جب ہم دوسروں کی پوسٹوں کو لائک کرتے ہیں تب بھی متنبہ ہو جانا چاہیے۔ اسی طرح یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ لائک کرنے والے کا آپ سے کیا مفاد وابستہ ہے۔ اگر آپ خاتون ہیں اور وہ ایک محض فیس بکی مرد، اور وہ آپ کی معمول کی تحریروں اور کمنٹس پر وارفتگی کا شکار ہو رہا ہے تو بھی متنبہ ہو جانا چاہیے اور بالخصوص اس وقت تو خاص طور پر جب لائکس کے معاملات ان باکس تک آ پہنچیں۔

(۶) کیا کسی اجنبی مرد کا عورت سے یا نامحرم عورت کا مرد سے ان باکس میں بات کرنا جائز نہیں؟

اس معاملے میں کوئی قانون تو وضع نہیں کیا جاسکتا۔ بعض اوقات یہ بات چیت کسی دفتری معاملے میں بھی ہو رہی ہوتی ہے۔ البتہ چند علامات جب ظاہر ہونے لگیں تو متنبہ ہو جانا چاہیے۔ پہلا یہ کہ معاملات بے تکلفی کی حد تک نہ چلے جائیں کہ دونوں اپنی چیٹ کو دوسروں سے چھپانے یا ڈیلیٹ کرنے لگ جائیں۔ دوسرا یہ کہ لائکس کا نشہ اتنا طاری نہ ہو جائے کہ اس کے بغیر زندگی ادھوری نظر آنے لگ جائے۔

(۷) اکثر خواتین فیس بک پر ان مذہبی یا سماجی اسکالرز سے اپنے ذاتی مسائل ڈسکس کرتی ہیں جنہیں وہ اپنی دانست میں اسکالرز سمجھتی ہیں۔ اس میں کس احتیاط کا مظاہر کرنا چاہیے؟

یہ ایک بہت نازک معاملہ ہے۔ ہماری سوسائٹی میں کاؤنسلنگ کا کوئی ادارہ نہیں۔ نیز ہماری سوسائٹی میں نفسیاتی ماہرین کی آڑ میں اکثر اوقات صرف پیسہ کمانے کا عمل جاری ہے۔ اس لیے لوگ بالعموم ایسے سہارے تلاش کرتے ہیں جہاں وہ اپنے مسائل بیان کر سکیں۔ اس سلسلے میں اکثر انہی لوگوں کا انتخاب ہوتا ہے جن کی پوسٹیں اکثر لوگ لائک کر رہے ہوتے ہیں اور وہ کچھ معقول بات کر رہے ہوتے

ہیں۔مرد حضرات کی بنسبت خواتین کے ایشوز عام طور پر زیادہ ہوتے ہیں جن میں رازداری رکھی جاتی ہے۔جس طرح عملی دنیا میں اچھے برے دونوں قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ایسے ہی فیس بک پر بھی اچھے برے لوگ ہوتے ہیں۔برے لوگ ایسی خواتین کی تاک میں رہتے ہیں۔وہ جب ان سے نفسیاتی طور پر قریب ہوجاتی ہیں تو ایسے لوگ ان سے ناجائز فائدہ اٹھاتے، انہیں بلیک میل کرتے اور ان کو ہراساں کرتے ہیں۔کچھ خواتین تو جان بوجھ کر چاہتی ہیں کہ ان سے فلرٹ کیا جائے، ان پر تو سوائے انا للہ... پڑھنے کے کچھ نہیں کیا جاسکتا۔البتہ وہ خواتین جو کسی ممکنہ خطرے سے بچنا چاہتی ہیں ان کے لیے یہ ہدایات ہیں:

سب سے پہلے تو اگر کوئی پرائیویسی کا رازداری کا کوئی معاملہ ڈسکس کرنا ہو تو کسی خاتون اسکالر ہی کو تلاش کیا جائے۔ایسی خواتین فیس بک پر کم تو ہیں لیکن معدوم نہیں۔

اگر یہ ممکن نہ ہو تو کسی ادارے سے وابستہ فرد کو تلاش کرنا چاہیے۔ایک فرد کی نسبت اس شخص کا زیادہ اعتبار ہوتا ہے جو کسی ادارے سے وابستہ ہو اور وہاں خواتین بھی کافی تعداد میں موجود ہوں۔

کسی بھی اسکالر سے اگر بات کرنی ہے تو کوشش کی جائے کہ ان باکس میں کوئی دوسری خاتون بھی موجود ہو یعنی بالکل تنہائی نہ ہو۔

اگر اسکالر پر پورا اطمینان نہیں تو اپنی نام کی آئی ڈی کی بجائے کسی فرضی نام کی آئی ڈی سے بات کی جائے اور اپنی شناخت ظاہر کرنے کی بجائے توجہ اس مسئلہ تک ہی رکھی جائے تاکہ کسی قسم کی بلیک میلنگ سے بچا جاسکے۔

بعض اوقات خواتین بھی مردوں کے ساتھ فلرٹ کرتی ہیں۔چنانچہ مردوں کو بھی اس معاملے میں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کہ وہ تعریف وتوصیف کے جھانسے میں آ کر کوئی غلط اقدام نہ کر بیٹھیں۔

(۸) تعریف کے نشے سے کس طرح بچا جائے کہ ہمارے اندر تکبر، انا، خود پرستی، نرگسیت، خودفریبی یا کوئی اور غلط فہمی پیدا نہ ہو جائے؟

ایک مشہور مذہبی عالم نے درست کہا تھا کہ خدا کی راہ میں چلنے والوں کے دل میں سب سے آخری بیماری جو نکلتی ہے وہ حب جاہ یعنی چاہے جانے کی تمنا ہے۔چاہا جانا کوئی غلط جذبہ نہیں بلکہ یہی جذبہ بہت سی تخلیقات کا سبب بنتا ہے۔لیکن یہ خواہش اگر ایک حد سے زیادہ بڑھ جائے تو بجائے فائدے کے نقصان دیتی ہے۔اس کا حل یہی ہے کہ اپنی کسی بھی تعریف کے اچھے پہلوؤں کا رخ اللہ کی جانب کردیا جائے۔یہ بات خود کو بار بار باور کرائی جائے کہ جو کچھ بھی ہمارے اندر صلاحیت ہے اس کا اصل منبع اللہ کی ذات ہے۔چنانچہ اصل تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔اس کے علاوہ تعریف ہونے کے باوجود اپنی کمیوں پر نظر رکھتے رہنا چاہیے اور اللہ سے دعا گو رہنا چاہیے کہ ہم تعریف کے فتنے سے محفوظ رہیں۔

اس کے علاوہ خود کو اپنے مخلص اور سمجھدار دوستوں کے سامنے رکھ کر رائے لینی چاہیے۔ان کو شخصیت کے ان پہلوؤں پر تنقید کے لیے آمادہ کرنا چاہیے جو تعریف کی وجہ سے اوجھل ہورہے ہوں۔اس طرح اصلاح کا عمل جاری وساری رہتا ہے۔بصورت دیگر انسان عملی یا عملی دنیا کا فرعون، ہامان، نمرود، ابوجہل اور ابولہب بن جاتا ہے اور اسے خبر تک نہیں ہوتی۔

●●

فخر القراء حضرت قاری محمد اسلام اللہ عزیزی کو صدمہ

نہایت افسوس کی بات ہے کہ فخر القراء حافظ قاری حضرت مولانا محمد اسلام اللہ ساحل عزیزی اعظمی مصباحی دامت برکاتہ العالیہ کی رفیقۂ حیات (صدر النساء صاحبہ بنت جناب الحاج علیم الدین عرف دفتری صاحب مرحوم) ۶ ربیع الاوّل ۱۴۳۹ھ ۲۶ نومبر ۲۰۱۷ء بروز یک شنبہ داغ مفارقت دے گئیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نمازِ جنازہ جناب قاری صاحب نے پڑھائی اور ماہم قبرستان میں سپرد خاک ہوئیں۔

مرحومہ ایک نیک سیرت، پارسا اور مہمان نواز خاتون تھیں، دین دار گھرانے میں پرورش پائی اور ایک اچھے عالم دین کی شریک حیات رہیں، زندگی کا زیادہ حصہ عَروسُ البلاد ممبئی میں گزارا، جب وقت اجل آگیا اِس دنیا سے رخصت ہوکر عالم بالا کا سفر اختیار کیا، آپ کے انتقال پُرملال پر خاندان کے سبھی افراد رنجیدہ اور غمگین ہوئے لیکن حضرت قاری صاحب پر تو جو کوہ غم گرا اس کا اندازہ وہی لگا سکتے ہیں، مولیٰ عزوجل قاری صاحب کو صبر وشکیب کا پیکر بنائے، مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، پسماندگان کو صبر واجر سے حصہ وافر عطا فرمائے۔قارئین سے بھی گزارش ہے کہ مغفرت کی دعا کریں۔

از: محمد عبد المبین نعمانی مصباحی ☆☆☆

مجلس شرعی مبارک پور کا

چوبیسواں فقہی سیمینار اور اس کے فیصلے

از: مفتی محمد نظام الدین رضوی

چوبیسواں فقہی سیمینار ایک سال کے طویل ناغے کے بعد ۱۷، ۱۸، ۱۹ر صفر ۱۴۳۹ھ مطابق ۷، ۸، ۹ نومبر ۲۰۱۷ء منگل، بدھ، جمعرات کو منعقد ہوا۔ اس سیمینار میں پانچ ضروری موضوعات زیر غور تھے جن میں سے چار موضوعات پر کافی بحث و تمحیص کے بعد باتفاق رائے فیصلے ہو گئے اور ایک موضوع کا فیصلہ تنگیِ وقت کے باعث نہ ہو سکا۔ وہ ہے: ''مٹیریل کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کے ساتھ تعمیر کا ٹھیکہ''

ان چار فیصلوں میں سے شروع کے دو فیصلے بہت اہم اور تاریخی حیثیت کے حامل ہیں، ہم کسی مناسب مقام پر ان کی اہمیت پر روشنی ڈالیں گے اِن شاءاللہ تعالیٰ۔ اب ہم سب سے پہلے فیصلوں کا خلاصہ پیش کرتے ہیں تا کہ ہمارے عوامی بھائیوں کے لیے استفادہ آسان ہو، پھر فیصلوں کا متن پیش کریں گے۔

فیصلوں کا خلاصہ

(۱) بینک گارنٹی لیٹر کا حکم:

بڑے بڑے کاروبار اور ٹھیکے میں بینک گارنٹی لیٹر جاری کرتا ہے اس کی شرعی حیثیت ضمانت کی ہے جو جائز ہے اور اپنی خدمات (سروسز) کے عوض جو فیس لیتا ہے اس کی شرعی حیثیت اجرت کی ہے یہ بھی جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) بینک اکاؤنٹ میں رقوم کا اندراج قبضہ ہے یا نہیں:

(الف) بینک اکاؤنٹ یا لیجر بک میں رقوم کا اندراج اصل مذہب کے لحاظ سے قبضہ نہیں لیکن اب کیش لیس کے رائج نظام، عرف عام اور حاجت شرعی کی بنا پر اس کو حکماً قبضہ تسلیم کیا جاتا ہے لہٰذا قرض خواہ یا کسی دوست یا فقیر کے کھاتے میں روپے جمع کرنے سے قرض ادا ہو جائے گا اور ہبہ اور تصدُّق مفید ملک ہوگا۔

اس طرح کے اُمور میں بینک کے متعلقہ عملہ کی حیثیت وکیلِ قبض کی ہے تو اس طور پر اکاؤنٹ میں اندراج قبضے کا مظہر ہوگا۔
واللہ تعالیٰ اعلم

(ب) انٹرنیٹ کے ذریعے آن لائن جو سامان خریدے جاتے، پھر ہاتھ میں آنے سے پہلے ہی بار بار خریداروں کی طرف سے بیچے جاتے ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ پہلی بیع جو سامان کے اصل مالک و قابض کی طرف سے ہوتی ہے جائز و درست ہے اور اس کے بعد خریداروں کی بیع در بیع بھی جائز ہی ہے کہ ان بیعوں میں بیع کی ذات (مثلاً یہ گھڑی) متعین نہیں اور بائع مطلوبہ کمپنی، ماڈل، سائز، کلر کا ویسا ہی سامان کبھی بھی دے سکتا ہے اور اس میں کوئی شرعی خرابی نہیں ہے، البتہ آن لائن خرید و فروخت میں چوں کہ خریدار نے اصل چیز دیکھی نہیں ہوتی ہے، اس لیے سامان دیکھنے کے بعد پسند نہ آئے یا کوئی عیب نظر آئے تو اسے واپس کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) انتفاع کی شرط کے ساتھ دکان مکان وغیرہ کا رہن:

ایک عرصے سے لوگوں میں یہ رائج ہے کہ لمبی لمبی رقوم قرض لے کر قرض خواہ کے پاس دکان یا مکان گروی رکھ دیتے ہیں اور وہ اس دکان یا مکان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ صورت قرض و سود کی ہے جو حرام و گناہ ہے۔ اس سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ جتنے روپے کی حاجت ہو اسے مکان کے ماہانہ کرایے پر تقسیم کر دیں مثلاً بارہ ہزار روپے کے عوض مکان یا دکان اجارے پر دیں اور یہ طے کر دیں کہ ماہانہ کرایہ ایک ہزار روپے ہوگا پھر بارہ ماہ پورے ہونے پر مکان، دکان واپس کر دے، یہ معاملہ اجارے کا ہے جو جائز و درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) ای کامرس ٹریڈنگ کا حکم:

آن لائن تجارت کو اِی کامرس ٹریڈنگ کہتے ہیں اس کی کئی صورتیں ہیں جن کے احکام الگ الگ درج ہیں:

☆ ڈراپ شپنگ:

اس صورت میں سامان ریٹیلر کے پاس موجود نہیں ہوتا پھر وہ سامان بیچ دیتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جو سامان اپنے ملک میں نہ ہو اسے بیچنا ناجائز ہے اس لیے ایسے شخص سے ہر گز سامان نہ خریدیں اور نہ ریٹیلر بیچے، اسے چاہیے کہ کمپنی کے ایجنٹ کی حیثیت سے اس کا سامان

بیچے اس صورت میں اس کا بیچنا اور دوسرے کا اس سے خریدنا جائز ہوگا اور یہ ریٹیلر اپنے کام کے عوض مقررہ اجرت کا بھی حق دار ہوگا۔

بزنس ٹو کنزیومرس:

اس صورت میں کمپنی جو سامان فروخت کرتی ہے وہ اس کے اسٹاک میں موجود ہوتا ہے، اس لیے اس کا بیچنا اور صارفین کا اس کا خریدنا، جائز ہے، ہاں! یہ لحاظ ضروری ہے کہ مشتری کسی معتمد و ذمہ دار کمپنی سے ہی اس طرح کا معاملہ کرے، اس بیع میں مشتری کو خیارِ عیب وخیارِ رُویت بھی حاصل ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بزنس ٹو بزنس:

سامان بنانے والی کمپنی کا ڈسٹری بیوٹر سے، اور اس کا ہول سیلر سے اور ہول سیلر کا ریٹیلر سے فروخت کرنا جائز ہے۔

کنزیومرس ٹو کنزیومرس:

یہ معاملہ بھی جائز ہے اور سائٹ کا مالک جو پیسے کماتا ہے وہ اس کے اشتہار کی اجرت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کنزیومرس ٹو بزنس:

یہ معاملہ عقد اجارہ ہے، پروجیکٹ میں اگر کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو اس کے لیے کام کرنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فیصلے

پہلی نشست ۱۷/صفر ۱۴۳۹ھ/۷/نومبر ۲۰۱۷ء منگل بعد مغرب

فیصلہ بعنوان

(۱) بینک گارنٹی لیٹر شرعی نقطۂ نظر سے

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ... حَامِدًا و مُصَلِّيًا و مُسَلِّمًا

اس نشست میں بینک گارنٹی لیٹر کی شرعی حیثیت زیر بحث آئی۔ بینک گارنٹی لیٹر کی تفصیل سوال نامے میں درج ہے۔ اس کا مختصر تعارف یہ ہے کہ جب کوئی شخص بڑا کاروبار کرنا چاہتا ہے اور اُدھار خریداری کے ذریعہ اپنی تجارت کو فروغ دینے کا قصد رکھتا ہے تو مارکیٹ میں اپنی شناخت اور کمپنیوں سے تعلقات نہ رکھنے کے باعث اس کے لیے اُدھار خریداری دشوار ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں وہ چاہتا ہے کہ کسی معتبر بینک کو اس بات کا ضامن بنائے کہ یہ خریدار مطلوبہ رقم وقت پر ادا کر دے گا، اگر وہ نہ دے سکا تو بینک اس کی طرف سے ادا کرے گا، اسی طرح کسی کام کا ٹھیکہ لینے کی صورت میں بھی یہ ضمانت حاصل کی جاتی ہے جس میں کام پورا نہ ہونے کی وجہ سے نقصان کی تلافی کا ذمہ بینک لیتا ہے۔

یہ کارروائی مکمل کرنے کے لیے بینک کا مقررہ فارم، ضمانت حاصل کرنے والے کو پُر کرنا ہوتا ہے جس کے ساتھ متعدد کاغذات اور دستاویزات درخواستِ ضمانت دینے والے کو منسلک کرنے ہوتے ہیں، پھر بینک اس شخص کی مالی حیثیت اور سابق عمل وغیرہ سے متعلق اطمینان حاصل کرنے کے بعد اس کی درخواست منظور کر کے ایک مکتوب جاری کرتا ہے جس کی بنیاد پر درخواست دہندہ تاجروں اور کمپنیوں سے اُدھار خریداری یا ٹھیکہ لینے کا اہل ہو جاتا ہے اور اس کا کام جاری ہو جاتا ہے۔ بینک یہ ضمانت کم از کم تین ماہ کے لیے اور زیادہ سے زیادہ دس سال کے لیے لیتا ہے اور اس پر اپنی مقررہ فیس بھی وصول کرتا ہے۔

اب زیر بحث یہ مسئلہ تھا کہ شرعًا اس معاملے کی حیثیت کیا ہے؟ اور اس کا جواز ہے یا نہیں؟

کچھ اختلافاتِ آرا کے بعد مندوبین کا اس پر اتفاق ہوا کہ یہ عقدِ کفالت بلفظِ دیگر عقد ضمانت ہے۔ جس میں درخواست دہندہ مکفول عنہ اور مطلوب ہوتا ہے، بینک کفیل ہوتا ہے اور مکفول لہ وہ شخص یا کمپنی ہوتی ہے جس سے بینک گارنٹی لیٹر رکھنے والا (بی جی ہولڈر) آئندہ معاملہ کرے گا۔

امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے مذہب میں اس عقد کی تکمیل کے لیے مکفول لہ یعنی طالبِ دَین کا قبول بھی شرط ہے، ابتداءً وہ نہ موجود ہے، نہ اس کا قبول ہے اس لیے یہ عقد ناتمام ہے۔ مگر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مذہبِ آخر پر عقدِ کفالت کفیل کے قبول کر لینے سے تمام ہو جاتا ہے اور یہ مذہب بھی مفتیٰ بہ ہے۔ امام احمد رضا قدّس سرّہ نے فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم میں فرمایا:

اقول: ہمارے نزدیک یہ تفصیل بھی عند التحقیق قولِ طرفین پر مبنی ہے کہ کفالت بے قبولِ طالب ناتمام مانتے ہیں۔

قولِ مُفتیٰ بہ پر جبکہ کفالت صرف قولِ کفیل سے تمام ہو جاتی ہے اگرچہ طالب کی رضا نہ ہو، تو مطلوب کی اجازتِ لاحقہ نہ ہوگی مگر بعد تمام عقد اور وہ تبرُّعاً واقع ہولیا تو اب مُتغیّر نہ ہوگا۔

عالمگیریہ میں ہے:

أَمّا رُكْنُها فَالْإِيجابُ، وَالْقَبُولُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ -رَحِمَهُمَا اللّٰه تَعَالٰى-، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ -رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى- أَوَّلًا حَتَّى إنَّ الْكَفَالَةَ لَا تَتِمُّ بِالْكَفِيلِ

وَحْدَهُ ، كَذَا فِي الْمُحِيْطِ.

وَ رَضَا الطَّالِبِ لَيْسَ بشرطٍ عنده و هو الأصحُّ . كافي و هو الأظهر فتح القدير و في البزازية: و عليه الفتوى، كذا في النهر الفائق وهكذا في البحر الرائق . اھ.

(فتاویٰ رضویہ: ج۷،ص۲۷۵، کتاب الکفالۃ، سنی دارالاشاعت)

یہ فتویٰ جس میں قول امام ابو یوسف کو مفتیٰ بہ قرار دیا گیا ہے ۱۳۳۶ھ میں جاری ہوا ہے اور امام احمد رضا قدّس سرّہ نے عرف و زمانہ کا اعتبار کرتے ہوئے آخر میں اسی کو ترجیح دی۔

الحاصل اس مذہب مفتیٰ بہ کی رو سے عقد کفالت بغیر قبولِ مکفول لہ کے مکمل ہو جاتا ہے لہٰذا بینک کے ساتھ ہونے والا عقد مکمل عقد کفالت ہے۔ رہا وقت عقد مکفول لہ کا نامعلوم ہونا تو یہ جہالتِ یسیرہ ہے جس کی عقد کفالت میں گنجائش ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں جب گارنٹی لیٹر کسی کمپنی کے پاس پہنچا اور اس نے اسے قبول کر لیا تو قبولِ مکفول لہ کی شرط بھی متحقق ہو گئی اور مذہب طرفین پر بھی عقد کفالہ مکمل ہو گیا۔

ہدایہ میں ہے: الکتاب کالخطاب، و کذا الإرسال ، حتی اعتبر مجلس بلوغ الکتاب و أداء الرسالة۔

(ج۳،ص۳۲۲، مجلس برکات)

حاشیۂ شلبی میں ہے:

إنّ قول الرسول کقول المرسِل ، و کذلک الکتاب من الغائب کالخطاب من الحاضر سواءٌ کان الرسول عدلاً أو غیر عدل. (حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ج۵،ص۲۱۱)

اس عقد کی صحت پر ایک اشکال یہ ہے کہ اس میں عوض کی شرط ہوتی ہے۔ بینک مقررہ فیس لینے کے بعد ہی ذمہ لیتا اور گارنٹی لیٹر دیتا ہے جب کہ شرعاً عقدِ کفالت میں اگر کفیل مال مطلوب کے علاوہ کوئی رقم مکفول عنہ سے لے تو کفالت فاسد ہے اس لیے کہ وہ رقم یا تو رشوت ہے یا ربا۔

اس اشکال کے باوجود مذکورہ معاملہ دنیا بھر میں رائج ہے اور لوگ اس طرح بینک سے گارنٹی لیٹر حاصل کر کے تجارتوں میں لگے ہوئے ہیں اس لیے تاحدِّ امکان تصحیح عقد کی صورت زیر غور آئی اور دیکھا گیا کہ بینک اس معاملے کے ساتھ ابتدا میں اور بعد میں بہت سے کام انجام دیتا ہے۔ شروع میں وہ درخواست دہندہ سے متعلق اہلیت کی تفتیش کرتا ہے پھر لیٹر جاری کرتا ہے اور بعد میں جن کمپنیوں سے بی جی ہولڈر معاملہ کرتا ہے ان کا اور ان کے معاملات کا ریکارڈ رکھتا ہے تاکہ مکفول عنہ سے مطالبہ کر سکے اور وقت پر عدم ادائیگی کی صورت میں خود ادا کرے، ان سروسز (خدمات اور کاموں) پر وہ اجرت اور عوض لے سکتا ہے اس لیے یہ ماننا چاہیے کہ یہ عوض بینک کا سروس چارج ہے اور عقد مذکور عقد کفالہ مع اجارہ ہے، اس موقع پر تصحیح عقد کے لیے قول عاقدین سے ہٹ کر کچھ اور ماننے اور عقد صحیح قرار دینے کی نظیر بھی ہدایہ(۱) سے پیش ہوئی۔

اس لیے عقد کفالہ مع اجارہ قرار دینے اور اس کے جواز پر مندوبین کا اتفاق ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

دوسری نشست ۱۸؍صفر ۱۴۳۹ھ/۸؍نومبر ۲۰۱۷ء بدھ صبح

فیصلہ بعنوان

(۲) بینک اکاؤنٹ میں رقوم کا اندراج قبضہ ہے یا نہیں

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ... حَامِدًا و مُصَلِّیًا و مُسَلِّمًا

قبضہ کا لغوی و حقیقی مفہوم ہے ہاتھ میں لینا، ہاتھ سے پکڑنا، سمیٹنا، مٹھی میں لینا اور حکماً تخلیہ کو بھی قبضہ کہا جاتا ہے۔ تَخْلِیَہ کا مطلب ہے: قبضہ کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور کر کے شی کو ہاتھ سے قریب کر دینا اور تمکُّن من القبض کا مطلب ہے قبضہ پر قابو پا لینا۔ اس میں اور تخلیہ میں فرق یہ ہے کہ تخلیہ کے لیے قابو پانے کے ساتھ کچھ اور شرطیں بھی درکار ہوتی ہیں جب کہ تمکن میں قابو پا لینا کافی ہوتا ہے جیسے اپنے جال میں پرندہ یا مچھلی پھنس جائے تو قبضہ پر قابو مل جاتا ہے اور یہاں یہی قبضہ کے لیے کافی ہے مگر یہ تخلیہ نہیں ہے۔

مفردات امام راغب میں ہے:

القبض: تناول الشيء بجمیع الکف۔

(مفردات امام راغب: ج۱،ص۶۵۲، کتاب القاف، قبض، دار العلم دار الشامیۃ، دمشق، بیروت)

بدائع الصنائع میں ہے: الأصل فی القبض هو الأخذ بالبراجم لأنه القبضُ حقیقة ۔ (بدائع الصنائع: کتاب البیوع، فصل فی حکم المبیع)

نیز اسی میں ہے: معنی القبض: هو التمکن من التصرف فی المقبوض ۔ (بدائع الصنائع: کتاب الہبۃ، فصل فی شرائط رکن الہبۃ)

الاشباہ والنظائر، کتاب الصید میں ہے:

الاستیلاء قسمان: حقیقی و حکمی. فالأول بوضع الید، والثانی بالتھیئۃ، فإذا نصب الشبکۃ للصید مَلَکَ ما تعقَّل۔ (الأشباہ والنظائر: ج۱ص۲۸۶، دار الکتب العلمیۃ)

کتب فقہ ولغت میں اس طرح کے نصوص بے شمار ہیں اور یہ مفاہیم مسلّمات سے ہیں۔

شریعت نے الفاظ کے وضعی مفاہیم کو بدلا نہیں بلکہ ان کو برقرار رکھتے ہوئے انھیں معانی میں استعمال کیا، یہ الگ بات ہے کہ کہیں کچھ امور کا اضافہ بھی کیا مگر قبضے کے مفہوم میں کوئی اضافہ نہیں ہے کہ یہ منقولات شرعیہ سے نہیں ہے۔

ہدایہ میں ہے: **والأصلُ إعمالُ الألفاظِ فی مُقتضَیاتھا الحقیقیۃ**۔ اصل یہ ہے کہ الفاظ کو ان کے حقیقی معانی میں استعمال کیا جائے۔ (الہدایۃ: ج۳ص۵۲، بابُ الإ قالۃ، مجلس البرکات)

اب رہا یہ سوال کہ بینک اکاؤنٹ میں اندراج قبضے کی حقیقی، حکمی، عرفی کسی قسم میں شامل ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بینک اکاؤنٹ میں اندراج قبضے کی حقیقی، حکمی، عرفی کسی قسم میں شامل نہیں۔

☆**حقیقی** نہ ہونا تو ظاہر تر ہے کہ وہ قبض بالبراجم یا ہاتھ میں لینا، پکڑنا نہیں ہے۔

☆**حکمی** اس لیے نہیں ہے کہ تخلیہ اپنے شرائط کے ساتھ یہاں متحقق نہیں ہوتا۔

☆**عرفی** اس لیے نہیں کہ عہدِ رسالت سے لے کر بعد کے ادوار تک کے عرف کے خلاف ہے۔

اب ہم ہر ایک کے دلائل پیش کرتے ہیں۔

بینک اکاؤنٹ میں اندراج قبضۂ حکمی نہیں قبضۂ حکمی نام ہے

● اپنی مملوک چیز (مثلاً شکار کے لیے بچھایا گیا جال، یا بنایا گیا کمرہ، یا تالاب) میں کچھ آنے یا رکھنے کا

● یا پھر تخلیہ کا۔ اور یہاں دونوں معدوم ہیں۔ پہلی صورت کا تو یہاں کوئی وجود ہی نہیں۔ دوسری صورت ممکن ہے مگر اس کے شرائط نہیں پائے جاتے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدّس سرّہ نے قبضے کی اس صورت پر تفصیل کے ساتھ گفتگو فرمائی ہے۔

بینک اکاؤنٹ میں اندراج قبضۂ عرفی بھی نہیں

اس لیے کہ عہدِ رسالت سے اب تک جو عرف چلا آ رہا ہے اُس میں کسی مال یا جائداد سے متعلق دستاویز، وثیقہ یا رجسٹر میں اندراج کو قبضہ نہیں سمجھا جاتا۔ بینک کو اپنی تمام رقوم اور آمد و خرچ کا ریکارڈ رکھنے کے لیے متعدد رجسٹر بنانے پڑتے ہیں، انہی میں سے ایک لیجر بک بھی ہے جو ہر کھاتے دار سے متعلق درآمد، برآمد ہونے والی رقوم پر مشتمل ہوتا ہے جس کی بنیاد پر کھاتے دار کا لین دین جاری رہتا ہے۔ نہ کھاتے دار اُسے اپنا قبضہ جانتا ہے، نہ بینک اُسے اُس کا قبضہ مانتا ہے۔ ہاں بینک کے رجسٹر میں کھاتے دار کو ملنے والی رقم کا اندارج بینک کی جانب سے اس بات کا اقرار ہوتا ہے کہ وہ کھاتے دار کی اتنی رقم کا مدیون ہے اور اس کے باعث کھاتے دار کو اس بات کا استحقاق ہوتا ہے کہ وہ بینک سے اپنی وہ رقم وصول کرے۔

یہ بھی قابل توجہ ہے کہ بینک میں درج شدہ رقم جب بینک کے ذمہ کھاتے دار کا دَین ہے تو دین ایسی چیز ہے جس پر قبضہ صحیح نہیں ہوتا، قبضہ عین ہی پر ہوتا ہے۔ (۲)

احکام القرآن للا مام الجصاص الرازی میں ہے: **الدین ھو حق لا یصح فیہ قبض، وإنّما یتأتّی القبضُ فی الأعیان** (کتاب مذکور، ج۲ص۲۶۱، دار احیاء التراث)

یہ ساری بحث اصل مذہب حنفی کی بنیاد پر تھی، اب جو حالات پیدا ہوئے ہیں ان کے پیش نظر علما میں اختلاف ہوا کہ صرف اکاؤنٹ میں رقم کا اندراج قبضہ ومفید ملک ہے یا نہیں؟

شارح بخاری، نائب مفتی اعظم ہند حضرت العلام مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رجحان پہلے ہی سے یہ تھا کہ کھاتے میں اندراج قبضہ ومفید ملک ہے اور آج بھی بہت سے علمائے اہل سنت یہی موقف رکھتے ہیں، اور اب درج ذیل امور ہمارے سامنے ہیں:

☆ آن لائن کاروبار عالمی سطح پر جاری ہو چکا ہے جس میں مال اپنے یا اپنے وکیل کے ہاتھ میں کم ہی آ پاتا ہے اور زیادہ تر سامان کی بیع در بیع یوں ہی ہوتی رہتی ہے اور کرنسی بھی مختلف لوگوں کے اکاؤنٹ میں بغیر کسی کے ہاتھ میں آئے ٹرانسفر ہوتی رہتی ہے۔

☆ مختلف مواقع پر ایک دوسرے کے اکاؤنٹ میں کرنسی جمع کر کے قرض یا زادِراہ، نذرانہ، تحفہ اور امداد وغیرہ کے نام پر لین دین بھی شروع ہو چکا ہے اور حال یہ ہے کہ لوگ اکاؤنٹ میں اندراج کو ہی کافی سمجھتے اور اس میں تصرفاتِ مالکانہ کرتے ہیں۔

☆اب کیش لیس کے نظام نے تنخواہ، اجرت، ثمن، قیمت، امانت، کفالہ، حوالہ، قرض، ضمان، ہبہ، تصدق، رہن، دیت، زکات، صدقات، مالِ مباح وغیرہ سب میں اکاؤنٹ میں اندراج کو قبضے کے قائم مقام کر دیا ہے اور اب تو صورت حال یہ ہے کہ اسے قبضہ مانے بغیر کوئی چارۂ کار ہی نہیں رہ گیا تو اب عام تعامل و رواج اور قانون و حاجتِ شرعی کی بنا پر استحسانًا بینک اکاؤنٹ میں اندراج قبض بالید (ہاتھ میں لینے) کے قائم مقام تسلیم ہونا چاہیے اس طرح کے حالات میں کئی مقامات پر فقہا نے معدوم کو موجود مان کر حکم شرعی جاری کیا ہے، اس لیے یہاں بھی ہاتھ میں نہ لینے کے باوجود اسے حکماً قبضہ ماننا چاہیے۔ اب اگر اسے حکماً قبضہ نہ تسلیم کیا جائے تو کاروبار میں شدید دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا بلکہ بہت سے کام منجمد بھی ہو سکتے ہیں، ہزارہا ہزار امور میں لوگوں کے بہت سے حقوق ایک دوسرے کے ذمہ باقی رہ جائیں گے اور بے شمار لوگ دین ادا کر کے بھی مدۃ العمر مدیون ہی رہیں گے تو حرجِ شدید وحاجت بمنزلۂ ضرورت کی بنا پر اور تاثیم امت سے بچنے کے لیے بینک اکاؤنٹ میں اندراج کو قبضہ کے درجہ میں رکھا جائے گا۔

یہاں یہ حل بھی ممکن ہے کہ دوسرے کے بینک اکاؤنٹ میں کیش جمع کرنے کی تمام صورتوں میں جمع کرنے والے عملہ کو وکیلِ قبض تسلیم کیا جائے کیوں کہ وہ کھاتے داروں کی طرف سے روپے قبول کر کے ان کے کھاتوں میں اندراج کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ عملہ بینک کا قائم مقام ہو کر اپنی ذات میں کئی طرح کی حیثیتوں کا جامع ہے۔

☆حکومت کا ملازم واجیرِ خاص ہے جو مخصوص اوقات میں ڈیوٹی پر مامور ہوتا ہے اور بینک کے لیے مختلف طرح کے کام کرتا ہے۔ دَین لینا، دَین دینا، اجرت پر لوگوں کے کام کرنا، کفیل و محتال علیہ بننا۔

☆عوام الناس کے ذمہ جو مطالبہ ہے اسے اپنے ذمہ بھی لینا، یا صرف اپنے ذمہ لینا، ان صورتوں میں وہ عملہ کفیل یا محتال علیہ ہوتا ہے۔

☆اپنے کھاتے داروں کے کھاتوں میں دوسروں کے دیے ہوئے کیش جمع کر کے ان کے کھاتوں میں درج کرنا، اس حیثیت سے وہ اپنے کھاتے داروں کے وکیل قبض ہوئے۔

فتاوی ہندیہ، کتاب الوکالۃ میں ہے:

معناها شرعًا: إقامةُ الإنسان غيرَه مقام نفسه في تصرّف معلوم حَتّىٰ أنّ التصرُّف إن لم يكن معلومًا تثبت أدنىٰ تصرّفاتِ الوكيل و هو الحفظ .اهـ

(الفتاوی الہندیۃ: ج۳، ص۵۶۰، الباب الأول من کتاب الوکالۃ)

اور شخص واحد الگ الگ حیثیتوں سے کفالہ، حوالہ، وکالہ وغیرہ کا ذمہ دار ہو سکتا ہے کہ حیثیت بدل جانے کے بعد کوئی منافات نہیں رہ جاتی مثلاً زید کسی کا اجیرِ مشترک ہو، کسی کا کفیل اور کسی کا وکیل یا محتال علیہ ہو تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں۔

پھر یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ کفالہ، وکالہ وغیرہ کی یہ تمام حیثیات دراصل بینک کو حاصل ہوتی ہیں جو غیر عاقل ہونے کی وجہ سے کوئی بھی ذمہ داری انجام نہیں دے سکتا اس لیے اس کی طرف سے اس کا عملہ یہ ذمہ داریاں انجام دیتا ہے اور اسی وجہ سے اس کی طرف کفیل و وکیل وغیرہ کی نسبت کی جاتی ہے۔

سوال: آج کل انٹرنیٹ کے ذریعہ بیع قبل القبض کے معاملات عام ہو چکے ہیں تو کیا کمپیوٹر میں اندراج شرعاً قبضہ ہے؟ اور ان میں مبیع کا اندراج مفید جواز بیع ہے؟

جواب: انٹرنیٹ کے ذریعہ آن لائن جو سامان خریدے جاتے، پھر ہاتھ میں آنے سے پہلے ہی بار بار خریداروں کی طرف سے بیچے جاتے ہیں ان کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ پہلی بیع جائز و صحیح ہے جو سامان کے اصل مالک و قابض کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کے بعد خریداروں کی بیع در بیع قبضہ سے پہلے ہونے کی وجہ سے بادی النظر میں ناجائز ہے۔ چناں چہ ہدایہ میں ہے:

وَمَنِ اشْتَرَى شَيْئًا مِمَّا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ لَمْ يَجُزْ لَهُ بَيْعُهُ حَتَّى يَقْبِضَهُ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يُقْبَضْ وَلِأَنَّ فِيهِ غَرَرَ انْفِسَاخِ الْعَقْدِ عَلَى اعْتِبَارِ الْهَلَاكِ.

(الہدایۃ: ج۳، ص۵۸، فصلٌ من باب المرابحة و التولية، مجلس البرکات)

قَالَ فِي الْفَتْحِ: الْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ عَقْدٍ يَنْفَسِخُ بِهَلَاكِ الْعِوَضِ قَبْلَ الْقَبْضِ، لَمْ يَجُزْ التَّصَرُّفُ فِي ذَلِكَ الْعِوَضِ قَبْلَ قَبْضِهِ كَالْمَبِيعِ فِي الْبَيْعِ وَالْأُجْرَةِ إذَا كَانَتْ عَيْنًا فِي الْإِجَارَةِ وَبَدَلِ الصُّلْحِ عَنْ الدَّيْنِ إذَا كَانَ عَيْنًا لَا يَجُوزُ بَيْعُ شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ، وَلَا أَنْ يُشْرَكَ فِيهِ غَيْرُهُ.

(ردالمحتار: ج۴، ص۱۸۱، فصلٌ في التصرّف في المبيع

والثمن / باب المرابحة والتولية،نعمانیہ)
مگر یہ حکم ایسے مبیع کا ہے جو جنس،نوع، ذات ہر لحاظ سے متعین ہو جیسا کہ فتح القدیر کی عبارت کے الفاظ إذا كانت عينًا اور إذا كان عينًا شاہد ہیں۔وجہ یہ ہے کہ ”غرر انفساخ عقد بہ ہلاکِ مبیع“ (۳) کی علت اسی صورت میں پائی جاتی ہے۔

لیکن اگر مبیع صرف جنس ونوع کے لحاظ سے متعین ہو اور اس کی ذات متعین نہ ہو جیسے موبائل، لیپ ٹاپ، ٹیبلیٹ، گھڑی، کتاب، کپڑا، دوا، سوٹ کیس، صابن، تیل، سونا، چاندی، بائک، کار، ٹریکٹر، ٹرک اور دیگر مصنوعات کی خرید وفروخت اسی طرح ہوتی ہے کہ ان کی کمپنی، جنس، نوع، رنگ، سائز، مقدار متعین کر دی جاتی ہے مگر اشارے وغیرہ سے مبیع کا کوئی خاص فرد متعین نہیں کیا جاتا کہ وہ ہلاک ہو جائے تو مبیع ہلاک ہو جائے اور انفساخ عقد پالیا جائے بلکہ اس کمپنی ،جنس،نوع،صفت کے مثلاً بے شمار موبائل ہر ملک میں عموماً دست یاب ہوتے ہیں اس لیے یہاں نہ مبیع یا سامان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ و غرر ہے اور نہ ہی انفساخ عقد کا کوئی خطرہ، لہٰذا آج کل جس طور پر آن لائن اشیا کی خرید وفروخت کا رواج ہے جائز وصحیح ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص اشارے وغیرہ سے مبیع کی ذات بھی متعین کر دے مثلاً یہ کہے کہ میرے ہاتھ میں جو موبائل ہے اسے بیچا تو اس کی بیع قبضہ سے پہلے ناجائز ہوگی کہ ممکن ہے خریدار کے قبضہ سے پہلے ہی کسی وجہ سے وہ ہلاک ہو جائے جس کے باعث وہ عقد از خود فسخ ہو جائے اور ایسے خطرے کی صورت میں شی معین غیر مقبوض کی بیع ناجائز ہوتی ہے۔ہدایہ کی عبارت اشترى شيئًا میں شیئًا سے مراد شیئًا عینًا ہے یعنی معین چیز، اور وہ معین چیز فرد ہے، نہ کہ نوع۔

علاوہ ازیں حالات و واقعات شاہد ہیں کہ آن لائن کسی چیز کو خریدنے کے بعد خریدار اس میں تصرف مالکانہ پر قادر ہو جاتا ہے وہ چاہے تو اس پر قبضہ کر کے اپنے استعمال میں لائے یا کسی کو نذر یا ہبہ کر دے، یا بیچ دے، اس پر تصرف سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تو یہ حکماً مقبوض ہے اور بیع کے جواز کے لیے یہ بھی کافی ہے، بشرطے کہ بائع کی طرف سے کوئی فریب یا خیانت نہ ہو۔

البتہ مذکورہ صورتِ خرید وفروخت میں چوں کہ اصل سامان خریدار کا دیکھا ہوا نہیں ہوتا اس لیے اسے خیار رویت حاصل ہوگا اور کوئی عیب ہو تو خیارِ عیب بھی حاصل ہوگا۔واللہ تعالیٰ اعلم

تیسری نشست ۱۸/صفر ۱۴۳۹ھ/۹/نومبر ۲۰۱۷ء بدھ بعد عشا

فیصلہ بعنوان

(۳) انتفاع کی شرط کے ساتھ دُکان، مکان، وغیرہ کا رہن

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. .حَامِدًا و مُصَلِّيًا و مُسَلِّمًا

آج کے زمانے میں لوگ انتفاع کی شرط کے ساتھ اپنی دُکان یا مکان بینک یا کسی اور دائن کے پاس گروی (رہن) رکھتے ہیں، اُس کی دو حالتیں ہوتی ہیں:

(۱) کبھی انسان کو سنگین ضرورت پیش ہوتی ہے، اور اُسے قرض نہیں ملتا جب تک کہ اپنی کوئی چیز دائن کے پاس گروی نہ رکھے، مجبوراً مدیون اپنی کوئی چیز دائن کے پاس بطور رہن رکھ دیتا ہے۔دائن شی مرہون سے فائدہ اٹھاتا رہتا ہے اور جب مدیون قرض واپس لوٹاتا ہے تو قرض کی پوری رقم واپس کرنی پڑتی ہے۔اور دائن نے رہن سے جو فائدہ اٹھایا اس کا کوئی عوض مدیون کو نہیں ملتا۔یہ پورا معاملہ دائن اور مدیون کی رضامندی سے طے پاتا ہے۔شی مرہون سے بے عوض استفادہ پر مدیون کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا بلکہ اُسے یہ پہلے سے معلوم ہوتا ہے۔یہ صورت ایک زمانے سے رائج ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ لوگ بغیر کسی مجبوری کے محض کاروبار کرنے کی خاطر اپنا مکان، پلاٹ، دکان یا زمین وغیرہ گروی رکھ کر قرض لیتے ہیں۔اس صورت میں ایک فریق (مُرتَہِن/دائن) شے مَرہون سے فائدہ اٹھاتا ہے جب کہ دوسرا فریق (راہن/مدیون) قرض کی رقم کو کاروبار میں لگا کر مقررہ مدت تک اچھی خاصی کمائی کر لیتا ہے۔اس میں فریقین کسی مجبوری کی بجائے اپنے فائدے کے لیے معاہدہ کرتے ہیں اور دونوں ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ایک فریق رقم کو کاروبار میں لگا کر فائدہ اٹھاتا ہے جب کہ دوسرا فریق شے مرہون کو کرایہ پر دے کر یا دوسرے طریقوں سے استعمال میں لا کر منافع حاصل کرتا ہے۔جس قرض کا لین دین بینک یا کسی کمپنی کے ذریعہ ہوتا ہے وہ عام طور سے اسٹامپ پیپر پر لکھ لیا جاتا ہے، اُس میں شیِ مرہون سے انتفاع کی اجازت بھی تحریر ہوتی ہے۔

یہ دوسری صورت رہن کی جدید صورت ہے جو آج تاجروں، کمپنیوں، بینکوں اور عام شہریوں کے درمیان رائج ہے۔

ان حالات کے پیش نظر تین سوال زیر غور ہوئے:

(۱) کاروبار شروع کرنے یا کاروبار کے فروغ وترقی کے لیے

اور اپنی معاشی حالت سُدھارنے کے لیے شی مرہون سے انتفاع کی شرط کے ساتھ قرض لینے کا شرعًا کیا حکم ہے؟

(۲) مجبوری یا ضرورت کے پیش نظر کیا اس طرح کا معاملہ کرنا درست ہے؟

(۳) جہاں حاجتِ شرعیہ نہ ہو اور رہن سے انتفاع کی شرط پر قرض لینا ناروا ہو تو کیا شرعًا جواز کے لیے کوئی حیلہ ہے جس پر عمل کر کے آسانی حاصل کی جا سکے؟

پہلے سوال کے جواب میں شے مرہون (گروی رکھی ہوئی چیز) سے انتفاع کی تین صورتیں سامنے آئیں۔

(۱) عقد رہن میں مرہون سے انتفاع کی شرط ہو یا انتفاع کا عرف وعادت ہو۔

(۲) عقد رہن میں مرہون سے انتفاع کی شرط نہ ہو اور عقد کے بعد راہن مرتہن کو نفع اٹھانے کی اجازت دے دے۔

(۳) شی مرہون سے انتفاع کا عرف ہو مگر عقد رہن میں صراحۃً یہ شرط ہو کہ مرتہن شے مرہون سے نفع اٹھانے کا مُجاز نہ ہوگا پھر عقد کے بعد راہن اپنی خوشی سے حسن سلوک کے طریقے پر مرتہن کو نفع اٹھانے کی اجازت دے دے اور مرتہن صرف اس کی اجازت کی وجہ سے نفع اٹھائے، اپنا حق جان کر نفع نہ اٹھائے اور جب وہ منع کرے بلا چون چرا باز آ جائے۔

● پہلی صورت میں رہن رکھ کر قرض لینا، دینا سود ہے جو ناجائز اور حرام ہے۔

● دوسری صورت جائز ہے، اصل حکم یہی ہے لیکن ایک عرصے سے دیار ہند میں شے مرہون سے مرتہن کا انتفاع اس قدر عام و معروف ہو چکا ہے کہ مرتہن اسے اپنا واجبی حق جانتے ہیں، اگر انھیں معلوم ہو کہ نفع نہ ملے گا ہرگز قرض نہ دیں گے، اور راہن پر قرض کا دباؤ نہ ہو تو ہرگز اجازت نہ دیں گے، اس عرف عام کی وجہ سے یہ انتفاع بھی انتفاع مشروط ہی کی طرح سود اور ناجائز وحرام ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: كل قرض جر منفعةً فهو ربا

(نصب الرایۃ لأحادیث الہدایۃ: ج۴ ص۶۰، مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر بیروت، لبنان)

ہدایہ میں ہے: وَلَيْسَ لِلْمُرْتَهِنِ أَنْ يَنْتَفِعَ بِالرَّهْنِ لَا بِاسْتِخْدَامٍ وَلَا بِسُكْنٰى وَلَا لُبْسٍ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ الْمَالِكُ؛ لِأَنَّ لَهُ حَقَّ الْحَبْسِ دُونَ الِانْتِفَاعِ. وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَبِيعَ إِلَّا بِتَسْلِيطٍ مِنَ الرَّاهِنِ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُؤَاجِرَ وَيُعِيرَ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ وِلَايَةُ الِانْتِفَاعِ بِنَفْسِهِ فَلَا يَمْلِكُ تَسْلِيطَ غَيْرِهِ عَلَيْهِ، فَإِنْ فَعَلَ كَانَ مُتَعَدِّيًا، وَلَا يَبْطُلُ عَقْدُ الرَّهْنِ بِالتَّعَدِّي (الہدایۃ: ج۴ ص۵۰۶، کتاب الرہن، مجلس برکات، مبارک پور)

درمختار میں ہے:

(لَا انْتِفَاعَ بِهِ مُطْلَقًا) لَا بِاسْتِخْدَامٍ، وَلَا سُكْنٰى، وَلَا لُبْسٍ، وَلَا إِجَارَةٍ، وَلَا إِعَارَةٍ، سَوَاءٌ كَانَ مِنْ مُرْتَهِنٍ أَوْ رَاهِنٍ (إِلَّا بِإِذْنٍ) كُلٍّ لِلْآخَرِ، وَقِيلَ: لَا يَحِلُّ لِلْمُرْتَهِنِ؛ لِأَنَّهُ رِبًا، وَقِيلَ: إِنْ شَرَطَهُ كَانَ رِبًا، وَإِلَّا لَا

(الدر المختار: المطبوع مع رد المحتار، ج۷، ص۴۰، ۴۱، کتاب الرہن، دار الفکر، بیروت)

نیز درمختار میں ہے: قالوا: إذا لم تكن المنفعة مشروطة و لا متعارفة فلا بأس۔

الدر المختار: المطبوع مع رد المحتار، ج۵، ص۴۸۸، کتاب الحوالۃ، مطلب فی السفتجۃ، دار الفکر، بیروت)

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

في الفتاوى الصغرى وغيرها: إن كان النفع مشروطا في القرض فهو حرام والقرض بهذا الشرط فاسد، وإلا جاز، ألا ترى أنّه لو قضاه أحسن مما عليه لايكره، إذا لم يكن مشروطا، وقالوا: وإنما يحل ذلك عند عدم الشرط إذا لم يكن فيه عرف ظاهر، فإن كان يُعرف أن ذلك يُفعل كذلك، فلا. اه ملخصاً

علامہ طحطاوی، پھر علامہ شامی خود شرح درمختار میں فرماتے ہیں:

الغالب من أحوال الناس أنهم إنما يريدون عند الدفع الانتفاع، ولولاه لما أعطاه الدراهم، وهذا بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يعين المنع. انتهى.

فقیہ اسلام امام احمد رضا قدس سرہ یہ عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں: أقول: ولا شك أن هذا بعينه حال أهل الزمان يعرفه منهم كل من اختبر. ومعلوم أن أحكام الفقه إنما تبنى على الكثير الشائع، ولا تذكر حال شذت و ندرت فيه الجواز كما نص عليه المحقق حيث أطلق فى فتح

القدير، وغيره من العلماء الكرام، فالحكم في زماننا هو إطلاق المنع لا يرتاب فيه من له إلمام بالعلم، و الكلام ههنا و إن كان طويلا فجملة القول ما ذكرنا.
(فتاوی رضویہ: ج۱۰،ص۲۸۰، کتاب الرہن، رضا اکیڈمی ممبئ)

● تیسری صورت میں انتفاع جائز ہے لیکن ہندوستان کا عرف و رواج اس سے مکمل جدا ہے، یہاں یہ صورت نہیں پائی جاتی ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں اس صورت کا حکم ان الفاظ میں مرقوم ہے:

بر بنائے قرض کسی قسم کا نفع لینا مطلقاً سود و حرام ہے ... یہ انتفاع اگر چہ لفظاً مشروط نہ ہو، عرفاً بے شک مشروط و معہود ہے تو حکم مطلق حرمت وممانعت ...

ہاں! اگر مرتہن بے لحاظ انتفاع قرض دے، ● اور صرف بغرض وثوقِ وصول جو تشریعِ رہن سے مقصودِ شارع ہے رہن لے۔ ● اور عاقدین وقت عقد صراحۃً شرط کرلیں کہ مرتہن کسی طرح نفع اٹھانے کا مُجاز نہ ہوگا، وذلک لأن ما صار معروفًا لا يصير مرفوعًا بالسكوت فلا يكفي عدم الشرط بل شرط العدم کی يفوق الصريح الدلالة. ● پھر راہن اپنی خوشی سے مرتہن کو انتفاع کی اجازت دے دے، ● اور مرتہن صرف بر بنائے اجازت، نہ کہ اپنا استحقاق جان کر نفع اٹھائے ● اور حال یہ ہو کہ اگر راہن اس وقت روک دے تو فوراً ارک جائے۔

یعنی بعد اس شرطِ عدم انتفاع کے مالک نے برضائے خود مکانِ رہن میں رہنے کا اذن دیا یہ آ کر بیٹھا ہی تھا کہ اس نے منع کیا تو معاً باز رہے اور اصلاً چوں چرا نہ کرے تو ایسا انتفاع جب تک رضائے راہن رہے حلال ہوگا مگر حاشا ہندوستان میں اس صورت کی صورت کہاں۔ اللہ عزّ وجلّ مسلمانوں کی اصلاح فرمائے۔ آمین۔

(فتاوی رضویہ: ج۱۰،ص۲۸۲،۲۸۳، ملتقطاً، کتاب الرہن، رضا اکیڈمی ممبئ)

دوسرے سوال کے جواب میں تمام مندوبین کا اس امر پر اتفاق ہوا کہ محتاج کے لیے نفع کی شرط پر قرض لینا جائز ہے چناں چہ بحرالرائق واشباہ وغیرہ میں ہے: يجوز للمحتاج الاستقراض بالرّبح
(البحر الرائق: کتاب البیوع، باب الربا)

مگر محتاج سے شرعاً کیا مراد ہے۔ اس بارے میں فقیہ اسلام امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

محتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابلِ قبول شرع رکھتا ہو کہ نہ اس کے بغیر چارہ ہو، نہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یارا، ورنہ ہرگز جائز نہ ہوگا، جیسے لوگوں میں رائج ہے کہ اولاد کی شادی کرنی چاہی، سو روپے پاس ہیں، ہزار روپے لگانے کو جی چاہا، نو سو سودی نکلوائے، یا مکان رہنے کو موجود ہے دل پکے محل کو ہوا، سودی قرض لے کر بنایا، یا سو دو سو کی تجارت کرتے ہیں قوت اہل وعیال بقدر کفایت ملتا ہے نفس نے بڑا سوداگر بننا چاہا، پانچ چھ سو سودی نکلوا کر لگا دیے، یا گھر میں زیور وغیرہ موجود ہے جسے بیچ کر روپیہ حاصل کر سکتے ہیں، نہ بیچا بلکہ سودی قرض لیا، وعلی ہذا القیاس صدہا صورتیں ایسی ہیں کہ یہ ضرورتیں نہیں تو ان میں حکم جواز نہیں ہوسکتا، اگر چہ لوگ اپنے زعم میں ضرورت سمجھیں ولہٰذا قُوت اہل وعیال کے لیے سودی قرض لینے کی اجازت اسی وقت ہوسکتی ہے جب اس کے بغیر کوئی طریقہ بسر اوقات کا نہ ہو، نہ کوئی نوکری ملتی ہے جس کے ذریعے دال روٹی اور موٹا کپڑا محتاج آدمی کے بسر کے لائق مل سکے، ورنہ اس قدر پا سکتا ہے تو سودی روپے سے تجارت پھروہی تونگری کی ہوس ہوگی، نہ ضرورتِ قُوت۔
(فتاوی رضویہ: ج۷،ص۸۲، رضا اکیڈمی)

اس امر پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ مسلمان انکم ٹیکس کے ضرر کثیر سے بچنے کے لیے قرض لے سکتا ہے جب کہ اس کی میعاد پر ادا کردے تا کہ انٹرسٹ، انکم ٹیکس سے کم رہے کہ یہ بھی شرعاً درجۂ حاجت میں ہے۔

(۳) ہاں کاروبار کو فروغ دینے اور زندگی کے دیگر امور میں آسانیاں فراہم کرنے کے لیے اجارے کا حیلہ اختیار کیا جاسکتا ہے جس کی مناسب صورت یہ ہے کہ جتنے روپے کی حاجت ہواُسے مکان کے ماہانہ کرایے پر تقسیم کردیں مثلاً بارہ ہزار روپے کے عوض مکان اجارے پر دیں اور یہ طے کردیں کہ ماہانہ کرایہ ایک ہزار روپے ہوگا۔ چناں چہ بہارِ شریعت میں ہے:

بعض لوگ قرض لے کر مکان یا کھیت رہن دیتے ہیں کہ مرتہن مکان میں رہے اور کھیت کو جوتے بوئے اور مکان یا کھیت کی کچھ اجرت مقرر کردیتے ہیں مثلاً مکان کا کرایہ پانچ روپے ماہوار یا کھیت کا پٹہ دس روپے سال ہونا چاہیے اور طے یہ پاتا ہے کہ یہ رقم زرِقرض سے مجرا ہوتی رہے گی، جب کل رقم ادا ہوجائے گی اس وقت مکان یا کھیت واپس ہو جائے گا، اس میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی اگر چہ کرایہ یا پٹہ واجبی اجرت سے کم طے پایا ہو اور یہ صورت اجارہ میں داخل ہے یعنی اتنے زمانے کے لیے مکان یا کھیت اجرت پر دیا اور زرِ اجرت پیشگی لے لیا۔

(بہارِ شریعت: حصہ ہفدہم، ص۷۰۴) واللہ تعالیٰ اعلم

تیسری نشست ۱۸ صفر ۱۴۳۹ھ

۹ نومبر ۲۰۱۷ء بدھ بعد عشا

فیصلہ بعنوان

(۴) ای کامرس ٹریڈنگ شرعی نقطۂ نظر سے

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم. حَامِدًا و مُصَلِّیًا و مُسَلِّمًا

انٹرنیٹ کے ذریعہ اشیا کی خرید وفروخت اور دوسری خدمات کی فراہمی کو ای کامرس ٹریڈنگ (آن لائن تجارت) کہتے ہیں۔ آج ہوائی جہاز یا ٹرین کے ٹکٹ، کتابیں، کپڑے، سافٹ ویئر، ہارڈ ویئر، دیگر الیکٹرانک سامان، پھل، پھول اور کھانے پینے کے سامان آن لائن خریدے جاتے ہیں اور بینک کی ضروری خدمات بھی حاصل کی جاتی ہیں۔ اس میں دفاتر، عملے اور دیگر لوازم کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ کمپنی کی ذاتی ویب سائٹ یا دوسرے کی ویب سائٹ کے واسطے سے کام ہوتا ہے۔

برقی تجارت کی کئی صورتیں ہیں:

(۳) ڈراپ شپنگ (Drop Shiping)

اس صورت میں ریٹیلر Retailer (خردہ فروش) سامان اسٹاک میں نہیں رکھتا بلکہ کسٹمر کے آڈرس اور سامان بھیجنے کی تفصیل، مال بنانے والے یا دوسرے ریٹیلر یا ہول سیلر کو بھیج دیتا ہے جو براہ راست کسٹمر کو سامان بھیج دیتا ہے۔

اس صورت کا حکم: جب کوئی خریدار خردہ فروش (ریٹیلر) سے معاملہ کرتا ہے اُس وقت ریٹیلر کے پاس سامان نہیں ہوتا اس لیے ابتداءً یہ عقد ناجائز ہوتا ہے لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: لا تَبِعۡ ما لیس عندک (أی لیس فی مِلکِک) ہاں جب کمپنی کا بھیجا ہوا سامان خریدار کو مل جاتا ہے اُس وقت بطور تعاطی بیع منعقد ہو جاتی ہے اور پہلے سے جمع شدہ روپے اب ثمن قرار پاتے ہیں، اس سے پہلے وہ قرض تھے۔ اگر بیع تعاطی کے انعقاد سے پہلے خریدار مالکِ نصاب کا سالِ نصاب پورا ہو جاتا ہے تو اس جمع شدہ روپے کی زکاۃ بھی اس پر فرض ہوگی۔

جو سامان اپنی ملک میں نہ ہوا سے بیچنا ناجائز ہے اس لیے دانستہ ایسے شخص سے ہرگز سامان نہ خریدیں اور نہ ریٹیلر بیچے، اس کو چاہیے کہ کمپنی سے وکالتِ بیع حاصل کرے پھر بیع کرے۔ اس صورت میں اس کا بیچنا اور دوسرے کا اُس سے خریدنا، جائز ہوگا اور ریٹیلر اپنے کام کے عوض مقررہ اجرت کا بھی حقدار ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) بزنس ٹو کنزیومرس۔

Business to Consumers (B to C)

اس صورت میں کمپنی براہ راست اپنے سامان یا اپنی خدمات صارفین تک پہنچاتی ہے۔ عمدہ ویب سائٹ پر ایک حقیقی دکان کی طرح اپنے سارے سامان کا نمونہ رکھتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی قیمت اور اوصاف بیان کر دیتی ہے۔ صارفین ویب سائٹ پر سامان اور اس کے اوصاف دیکھ کر خریدتے ہیں اور اس کی قیمت آن لائن ادا کرتے ہیں۔ B TO C بی-ٹو-سی کے لیے استعمال ہونے والی ویب سائٹوں میں www.ebay.com اور www.amazone.com کو صارفین زیادہ قابل اعتماد اور بہتر سروس والی قرار دیتے ہیں۔

اس کا حکم شرعی: اس صورت میں کمپنی جو سامان فروخت کرتی ہے وہ اس کے اسٹاک میں موجود ہوتا ہے اس لیے اس کا بیچنا اور صارفین کا اس سے خریدنا، جائز ہے۔ ہاں یہ لحاظ ضروری ہے کہ مشتری کسی معتمد و ذمہ دار کمپنی سے ہی اس طرح کا معاملہ کرے۔ اس بیع میں مشتری کو خیار عیب و خیار رویت بھی حاصل ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) بزنس ٹو بزنس۔ Business to Business (B to B)

اس صورت میں ایک تاجر دوسرے سے سامان خریدتا ہے مثلاً ایک کمپنی اپنا سامان تیار کرنے کے لیے دوسری کئی کمپنیوں سے مختلف چیزیں خریدتی ہے پھر ان کی مدد سے صارفین کے لیے اپنا سامان تیار کرتی ہے۔ اس میں ایک تاجر دوسرے تاجر سے رابطہ براہ راست نیٹ سے کرتا ہے، درمیان میں کسی تیسرے کا دخل نہیں ہوتا۔ جیسے ایک گاڑی بنانے والی کمپنی گاڑی کا ٹائر، گلاس، پرزے وغیرہ خریدنے کے لیے دوسری کمپنیوں سے رابطہ کرتی ہے پھر گاڑی تیار ہو جانے کے بعد صارفین سے رابطہ کرتی ہے۔

اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ سامان بنانے والی کمپنی ڈسٹری بیوٹر سے فروخت کرتی ہے اور وہ ہول سیلر سے فروخت کرتا ہے اور ہول سیلر ریٹیلر سے فروخت کرتا ہے۔

اس کا حکم: سامان بنانے والی کمپنی کا ڈسٹری بیوٹر سے، اور اس کا ہول سیلر سے ، اور ہول سیلر کا ریٹیلر سے فروخت کرنا جائز ہے، لصدوره عن أهله في محله مع عدم المانع . واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) کنزیومرس ٹو کنزیومرس

Consumers to Consumers (C to C)

اس میں ایک کنزیومر (سامان فروخت کرنے والا) دوسرے کنزیومر (سامان خریدنے والے) سے انٹرنیٹ اور ویب ٹکنالوجی کی مدد سے براہ راست فروخت کرتا ہے۔ ویب سائٹ ایک عام بازار جیسی ہوتی ہے جہاں مختلف کنزیومرس اپنا سامان یا خدمات فروخت کرتے ہیں، سائٹ کا مالک سامان یا خدمات فروخت کرنے والوں اور اشتہار سے پیسے کماتا ہے۔ ایسی ویب سائٹ کو مارکیٹ پیلیس بھی کہتے ہیں۔ اس کی ایک مثال www.ebay.com کی سائٹ ہے۔

حکم شرعی: یہ معاملہ بھی جائز ہے اور سائٹ کا مالک جو پیسے کماتا ہے وہ اس کے اشتہار کی اجرت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۷) کنزیومرس ٹو بزنس

Consumers to Business (C to B)

اس میں کنزیومرس کسی پروجیکٹ کو آن لائن کرتے ہیں جس پر کام کرنے کے لیے مختلف کمپنیاں بولی لگاتی ہیں۔ بولی میں کنزیومرس جس کو پسند کرتے ہیں اس سے کاروبار طے ہو جاتا ہے۔ اس طرح کی ایک ویب سائٹ pazaryerim.com ہے۔

حکم شرعی: یہ معاملہ عقد اجارہ ہے۔ پروجیکٹ میں اگر کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو اس کے لیے کام کرنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆

●●

(بقیہ ص ۳۹ کا)

ہماری اسلامی تاریخ کا ایک بہت بڑا انقلاب بھی اسی تاریخی اصول کا مظہر ہے جس کے متعلق اقبال نے اپنا مشہور شعر کہا ہے:

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

تاتاری نسل جو کہ بعد میں ترکی سلطنت کی شکل میں پانچ سو سال تک مسلمانوں کی قیادت اور اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کرتی رہی، اصل میں مسلمان نہیں تھی۔ تاتاریوں نے پہلے تو آ کر مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی، لیکن پھر خدا نے انھی سے اپنے دین کا کام لیا اور وہ عالم اسلام کا بازوئے شمشیر زن بن گئے۔ ان مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ احیائے اسلام کی حکمت عملی پر غور کرتے ہوئے ہمیں تاریخی قوانین اور تاریخ کے عمل کا ذرا وسعت، گہرائی اور فکری لچک کے ساتھ مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں ایک ایسی قوم کے لیے، جو ہر لحاظ سے زوال کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے، فتح اور غلبے کی توقعات قائم کرنے کے ساتھ ساتھ اس پہلو پر بھی نظر رکھنی چاہیے کہ ممکن ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ ان قوموں کو ہدایت اور توفیق دے دے جن کو تکوینی سطح پر اس دنیا کی قیادت سونپی گئی ہے اور بائبل کی تعبیر کے مطابق وہ اس وقت دنیا کے پھاٹکوں کے مالک ہیں۔

اس لیے میرے دوستو! حالات سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں ہمیشہ قرآن کریم کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جس میں اللہ نے فرمایا ہے کہ جس چیز کو تم بہتر سمجھ رہے ہو، ہوسکتا ہے کہ وہ تمہارے لیے بہتر نہ ہو اور جس چیز کو تم خطرناک سمجھ رہے ہو، ہو سکتا ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہو۔ اللہ رب العزت بڑا حکمت والا ہے، کارساز ہے۔ دشمنان دین اور دشمنان مسلمان ہمیں مٹانے کے لیے اپنی چالیں چل رہے ہیں اور منصوبہ بندی کر رہے ہیں مگر اللہ عزوجل اپنی تدبیر فرما رہا ہے اور یقیناً اسی کی تدبیر کارگر ہونے والی ہے اور دشمنوں کے سارے ہتھکنڈے اور چالیں خاک میں ملنے والی ہیں۔ ہمارے کرنے کا کام فقط یہ ہے کہ اللہ نے جو ہمیں ذمے داریاں دی ہیں، اسے بحسن وخوبی انجام دیتے رہیں، اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہیں، اپنی استطاعت کے مطابق کام کرتے رہیں اور بقیہ کام اللہ پر چھوڑ دیں اور بس۔ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کہ اسلام میں مایوسی کفر ہے۔

●●

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی اور ایمان لانے والوں میں سبقت کرنے والے صحابیِ رسول

حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

از: محمد وسیم رضا جامعی

حضرت حاطب (شاذ روایت: ابو حاطب) بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا کا نام عبدشمس بن عبدِ وُد تھا۔ عامر بن لوئی ان کے ساتویں اور غالب بن فہر نویں جد تھے۔ عامر بن لوئی کے نام پر ان کا قبیلہ بنو عامر بن لوئی کہلاتا ہے۔ لوئی بن غالب پر ان کا سلسلۂ نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ سے ملتا ہے۔ عامر کے بھائی کعب آپ کے آٹھویں اور لوئی نویں جد تھے۔ حضرت حاطب بن عمرو اور ان کے بھائی حضرت سلیط بن عمرو السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں شامل تھے۔ ابن اسحاق کی مرتب کردہ فہرست کے مطابق دین اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں حضرت سلیط کا نمبر پچیسواں اور حضرت حاطب کا چھیالیسواں بنتا ہے۔ ۵/نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوہِ صفا کے مشرق میں ایک تنگ گلی میں واقع دار ارقم میں تشریف لے جانے سے پہلے دونوں بھائی ایمان لا چکے تھے۔

حضرت حاطب بن عمرو کو حبشہ و مدینہ، دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا۔ کمزور مسلمانوں اور اسلام قبول کرنے والے غلاموں پر قریش کی ایذا رسانیاں حد سے بڑھ گئیں تو رجب ۵/نبوی (۶۱۵ء) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حبشہ (Abyssinia Ethiopia) کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا: وہاں ایسا بادشاہ (King of Axum) حکمران ہے جس کی سلطنت میں ظلم نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں چودہ اصحاب رسول حبشہ روانہ ہوئے جن کے نام یہ ہیں: حضرت عثمان بن عفان، ان کی اہلیہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ، ان کی زوجہ حضرت سہلہ بنت سہیل، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد، ان کی اہلیہ حضرت ام سلمہ بنت ابوامیہ، حضرت عامر بن ربیعہ، ان کی بیوی حضرت لیلیٰ بنت ابوحثمہ، حضرت ابوسبرہ بن ابورہم اور حضرت سہیل بن بیضا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ ابن سعد نے مہاجرین حبشہ کے قافلۂ اولین کی فہرست میں حضرت حاطب بن عمرو، حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن جوزی نے حضرت عبداللہ بن بیضا کا اضافہ کیا ہے، اس طرح ان عازمینِ ہجرت کی تعداد سترہ ہو جاتی ہے۔ زُہری کا کہنا ہے کہ حضرت حاطب نے سب سے پہلے حبشہ کی سرزمین پر قدم رکھا تاہم ابن ہشام حضرت حاطب بن عمرو کو سڑسٹھ اہل ایمان کے اس دوسرے گروپ میں شمار کرتے ہیں جو چند ماہ کے بعد حضرت جعفر بن ابوطالب کی قیادت میں دو کشتیوں پر سوار ہو کر سوے حبشہ روانہ ہوا۔ دونوں گروپوں کے مہاجرین کی مجموعی تعداد تراسی (ابن جوزی کے مطابق: ایک سو نو) بنتی ہے۔ حضرت حاطب کے بھائی حضرت سلیط بن عمرو، حضرت سکران بن عمرو، ان کی اہلیہ حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت حاطب کے قبیلہ بنو عامر بن لوئی کے حضرت مالک بن زمعہ، ان کی اہلیہ حضرت عمرہ بنت سعدی، حضرت عبداللہ بن مخرمہ، حضرت عبداللہ بن سہیل اور بنو عامر بن لوئی کے حلیف حضرت سعد بن خولہ ہجرت میں ان کے ساتھ تھے۔ حضرت حاطب بن عمرو ان اصحاب میں شامل نہ تھے جو شوال ۵/نبوی میں قریش کے ایمان لانے کی افواہ سن کر مکہ لوٹ آئے۔ ابن ہشام نے مکہ میں داخل ہونے والے تینتیس اصحاب کی فہرست میں ان کا نام بیان نہیں کیا تاہم بلاذری اور ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ حضرت حاطب مکہ واپس آئے اور بارِ دگر حبشہ کو ہجرت کی۔

حضرت حاطب بن عمرو بن عبدشمس نے جنگ بدر میں حصہ نہیں لیا کیوں کہ وہ اس وقت حبشہ میں تھے، تاہم ان کے ہم نام حضرت حاطب بن عمرو بن عبید غزوۂ فرقان میں شریک تھے۔

(۶۲۶ء میں) ہجرت مدینہ کو سات برس بیت گئے تو حبشہ میں موجود مہاجرین نے یہ کہہ کر مدینہ جانے کی خواہش ظاہر کی کہ ہمارے نبی غالب آ گئے ہیں اور دشمن مارے جا چکے ہیں۔ تب نجاشی نے زادِ راہ دے کر ان کو رخصت کیا۔ (المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۴۷۸)

مہاجرین عمرو بن امیہ ضمری کے ساتھ دو کشتیوں میں سوار ہو کر حجاز کے ساحل پر پہنچے۔ انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی غرض سے حبشہ بھیجا تھا۔ ساحل سمندر سے وہ اونٹوں پر سوار ہو کر آئے، مدینہ لوٹنے والوں کے نام یہ ہیں: حضرت جعفر بن ابوطالب، ان کی اہلیہ حضرت اسماء بنت

عمیس ،ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن جعفر،حضرت خالد بن سعید بن عاص،ان کی اہلیہ حضرت امینہ (یاہمینہ) بنت خلف،ان کے بیٹے حضرت سعید بن خالد اور بیٹی حضرت امہ بنت خالد، حضرت خالد کے بھائی حضرت عمرو بن سعید بن عاص،حضرت معیقیب بن ابوفاطمہ،حضرت ابو موسیٰ اشعری،حضرت اسود بن نوفل،حضرت جہم بن قیس،ان کے بیٹے حضرت عمرو بن جہم،حضرت خزیمہ بن جہم،حضرت عامر بن ابووقاص،حضرت عتبہ بن مسعود،حضرت حارث بن خالد،حضرت عثمان بن ربیعہ،حضرت محمیہ بن جز،حضرت معمر بن عبداللہ،حضرت حاطب بن عمرو،حضرت مالک بن ربیعہ، ان کی زوجہ حضرت عمرہ بنت سعدی اور حضرت حارث بن عبدقیس۔سرزمین حبشہ میں وفات پا جانے والے اہلِ ایمان کی بیوگان بھی مدینہ واپس آ ئیں۔

موسیٰ بن عقبہ، ابومعشر اور طبری کی روایت کے مطابق حضرت سکران بن عمرو نے حبشہ میں وفات پائی تاہم ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد اور بلاذری کہتے ہیں کہ وہ اپنی زوجہ حضرت سودہ بنت زمعہ کے ساتھ حبشہ سے مکہ واپس آئے اور یہیں انتقال کیا۔سیدہ سودہ کی عدت ختم ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پیامِ نکاح بھیجا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد آقائے کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا یہ آپ کا پہلا عقد تھا۔انھوں نے جواب دیا: ’’میرا معاملہ آپ کی صوابدید پر منحصر ہے۔‘‘ آپ نے فرمایا: ’’اپنی شادی کے لیے اپنی قوم کے کسی شخص کو کہو۔‘‘ چنانچہ انھوں نے یہ ذمہ داری اپنے دیور حضرت حاطب بن عمرو کو سونپی۔ابن ہشام نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اولاً حضرت سلیط بن عمرو کا نام لیا پھر مرجوح روایت کے طور پر حضرت حاطب کا ذکر کر کے بتایا کہ ابن اسحاق نے اس روایت کو رد کیا اور کہا ہے کہ حضرت سلیط اور حضرت حاطب دونوں بھائی اس وقت سرزمین حبشہ میں تھے۔ بلاذری سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے ولیِ نکاح حضرت حاطب بن عمرو تھے پھر شاذ روایت کے طور پر وہ زمعہ بن قیس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔طبری اور مسند احمد میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون کی اہلیہ حضرت خولہ بنت حکیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر حضرت سودہ کے گھر گئیں اور ان کے والد زمعہ بن قیس نے یہ رشتہ طے کیا۔(مسند احمد: رقم ۲۵۷۶۹)۔

بلاذری کہتے ہیں کہ حضرت حاطب جنگ بدر میں بھی شریک ہوئے گویا انھوں نے حبشہ سے مکہ لوٹ کر یہاں سے مدینہ کو ہجرت کی اور پھر غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ابن حجر ان کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت حاطب نے جنگ بدر میں شرکت کی۔ابن ہشام نے **السیرۃ النبویۃ** میں غزوۂ بدر کے ۳۱۴ (واقدی: ۳۱۳، موسیٰ بن عقبہ: ۳۱۶) شرکا کی مکمل فہرست لکھی اور حضرت حاطب بن عمرو بن عبد شمس کا نام نہ دیا البتہ ان کے ہم نام حضرت حاطب بن عمرو بن عبید کا ذکر ضرور کیا۔ابن جوزی نے **المنتظم فی تواریخ الملوک و الامم** میں حضرت حاطب بن عمرو کا نام لکھا اور یہ نہ بتایا کہ یہ حضرت حاطب بن عمرو بن عبد شمس ہیں یا حضرت حاطب بن عمرو بن عبید۔**البدایۃ والنہایۃ** میں ابن کثیر نے حضرت حاطب بن عمرو بن عبید کا نام درج کرنے کے بعد واقدی کے حوالے سے حضرت حاطب بن عمرو بن عبد شمس کا اضافہ کیا۔

بلاذری یہ قول نقل کرنے کے بعد کہ حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرزمین حبشہ میں سب سے پہلے وارد ہوئے اور سب سے آخر میں حضرت جعفر بن ابوطالب کے ساتھ وہاں سے واپس آئے، تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ بات مورخین کے یہاں بڑی الجھی ہوئی اور گڈ مڈ ہے۔الجھاؤ کا اصل سبب اکثر اہلِ سیَر کے متفق ہونے کے باوجود کہ حضرت حاطب ۷ھ میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری اور حضرت جعفر طیار کے ساتھ حبشہ سے مدینہ ہجرت کرنے والے قافلے میں شامل تھے، یہ کہنا ہے کہ وہ ہجرت مدینہ سے قبل مکہ لوٹ آئے تھے اور انھوں نے جنگ بدر میں حصہ لیا۔

حضرت حاطب کے ایک بھائی سہیل بن عمرو اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے۔اسلام کی مخالفت میں اپنی خطابت کے جوہر دکھاتے تھے۔غزوۂ بدر میں وہ مشرکوں کی طرف سے لڑتے ہوئے حضرت مالک بن دخشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں قید ہوئے۔سہیل بن عمرو ہی تھے جنھوں نے معاہدۂ صلح حدیبیہ تحریر کرنے میں مشرکین مکہ کی نمائندگی کی۔انھوں ہی نے **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم** کی جگہ **باسمک اللّٰہ م** اور **محمد رسول للہ** کے بجاے **محمد بن عبد اللّٰہ** لکھنے پر اصرار کیا تھا۔فتح مکہ کے بعد وہ ایمان لے آئے۔ مدینہ کی طرف تیسری ہجرت کرنے کے بعد حضرت حاطب بن عمرو کی زندگی کیسے گزری اور ان کی وفات کب ہوئی؟ یہ سب معلومات تاریخ کے پردوں میں مستور ہو چکی ہیں۔

●●

آپ مایوس کیوں ہیں؟

تاریخ گواہ ہے کہ اللہ نے اسلام کے بدترین دشمنوں کو اسلام کے دامن میں پناہ دی اور انہوں نے دین کو تقویت پہنچائی

از: عمار خان ناصر

دعوت دین کی ذمے داری اور دیارِ مغرب میں اس کے لیے موجود وسیع میدان ہمیں دور جدید کی بعض ایسی اہم خصوصیات کی طرف متوجہ کرتے ہیں جو نہایت واضح اور بدیہی ہونے کے باوجود، غیر داعیانہ طرز فکر کی بدولت اُمت کی نگاہ سے اوجھل ہیں۔

اُمتِ مسلمہ میں مغرب کے سیاسی ومعاشی غلبے کا جو ردعمل پیدا ہوا، بڑی حد تک قابل فہم ہونے کے ساتھ ساتھ، اس لحاظ سے غیر متوازن ہے کہ اس ساری صورت حال میں اُمتِ مسلمہ کا داعیانہ کردار اور اس کے تقاضے ہماری نظروں سے بالکل اوجھل ہو گئے ہیں۔ ہمارے پاس خدا کی دی ہوئی ایک ہدایت ہے جو ساری انسانیت کے لیے ہے اور اُمت مسلمہ اس ہدایت کی امین ہونے کے ناطے اس بات کے لیے مسؤل (ذمے دار) ہے کہ وہ خود حاکمیت کی حالت میں ہو یا محکومیت کی، اس ہدایت کو کسی تعصب کے بغیر دنیا کے ہر اس گروہ تک پہنچائے جس تک دعوت حق کے پہنچائے جانے کا کسی بھی درجے میں کوئی امکان ہو۔ کسی قوم کے ساتھ سیاسی واقتصادی مفادات حتیٰ کہ مذہبی تصورات کا ٹکراؤ بھی اس بات کا جواز نہیں بن سکتا کہ اُمتِ مسلمہ اس قوم تک دعوت حق پہنچانے کی ذمے داری سے غافل ہو جائے۔

مغربی اقوام تک دعوت حق پہنچانے کی یہ ذمے داری اُمت مسلمہ پر کامیابی اور قبولیت کے امکانات سے بالکل قطع نظر کر کے عائد ہوتی ہے۔ تاہم اگر دعوت دین کے لیے میسر مواقع اور امکانات کے زاویے سے غور کیا جائے تو مغربی معاشروں میں صورت حال کئی حوالوں سے امید افزا اور سازگار دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ مغربی تمدن میں مذہب اور روحانیت سے دوری اور محض مادی وجسمانی ضروریات کی تکمیل وتسکین پر توجہ کے ارتکاز کا مظہر ایک پہلو سے بڑا بھیانک دکھائی دینے کے باوجود اس لحاظ سے اپنے اندر مثبت پہلو بھی رکھتا ہے کہ اس یک طرفہ طرز زندگی نے انسان کی زندگی میں ایک بہت بڑا خلا پیدا کر دیا ہے جو فطرت انسانی کے تقاضوں سے متصادم ہے۔ مغربی طرز معاشرت میں اس کا مطالعہ کئی پہلوؤں سے کیا جا سکتا ہے اور کیا جا رہا ہے۔ یہ چیز شعوری یا لاشعوری طور پر ایک سچی اور فطری روحانی دعوت کی طلب اور پیاس پیدا کرتی ہے اور اگر داعیانہ ہمدردی اور اخلاص کے ساتھ نیز دعوت دین کے حکیمانہ اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مغربی معاشروں کی اس ضرورت پر توجہ مرکوز کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ بہت بڑی تعداد میں لوگوں کے لیے اسلام کے دامن رحمت سے وابستگی کے راستے نہ کھل جائیں۔

دعوت دین کی ذمہ داری اور دیارِ مغرب میں اس کے لیے موجود وسیع میدان ہمیں دور جدید کی بعض ایسی اہم خصوصیات کی طرف متوجہ کرتے ہیں جو نہایت واضح اور بدیہی ہونے کے باوجود، غیر داعیانہ طرز فکر کی بدولت امت کی نگاہ سے اوجھل ہیں۔ مثال کے طور پر حیرت انگیز سائنسی اکتشافات وانکشافات کی روشنی میں کائنات کے نظم میں خالق کے علم وحکمت اور قدرت ورحمت کی جو ایمان افروز تفصیلات سامنے آتی ہیں، وہ ایمان باللہ کی دعوت کے لیے غیر معمولی تائیدی مواد فراہم کرتی ہیں۔ یہ ایسے محسوس ومشہود حقائق ہیں جو محض سامنے آ جانے سے ہی ایک سلیم الفطرت انسان کے قلب ودماغ پر ایسا تاثر قائم کرتے ہیں کہ اس کے سامنے فلسفیانہ ومنطقی استدلالات ہیچ ہو کر رہ جاتے ہیں۔

پھر یہ کہ گونا گوں تاریخی وسماجی عوامل کے نتیجے میں مغربی ذہن میں عمومی سطح پر مذہب کے حوالے سے ایک نوع کی بے تعصبی کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے جو فکر واعتقاد کی سطح پر کسی بھی نئی بات کو قبول کرنے یا کم از کم اس پر غور کرنے کے لیے بڑی اہم ہوتی ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کسی بھی معاشرے کی اپنے روایتی اور نسلی مذہب کے ساتھ وابستگی اس کے لیے کسی نئے مذہب کو اختیار کرنے میں ہمیشہ ایک بڑی رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مغرب میں فکری سطح پر مذہب کے ساتھ عدم اعتنا اگر ایک جانب منفی

پہلو رکھتا ہے تو اس لحاظ سے ایک مثبت پہلو بھی رکھتا ہے کہ اس کے نتیجے میں مذہبی تعصب جیسی ایک بڑی رکاوٹ بھی بڑی حد تک دور ہوئی ہے جو اسلام کی دعوت کے فروغ میں شاید سب سے بڑی رکاوٹ ہوتی۔

عقیدہ و مذہب کے معاملے میں ریاستی جبر کے خاتمے نے بھی دعوت حق کے فروغ کے حوالے سے معاون اور ساز گار فضا پیدا کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ آج مغرب میں نہ ریاست کسی مذہب کو اس مفہوم میں تحفظ دے رہی ہے جس مفہوم میں قرون وسطیٰ میں دیتی تھی اور نہ مذہبی احتساب کے وہ ادارے موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے اہل مغرب کے لیے بڑے پیمانے پر کیا، انفرادی سطح پر بھی تبدیلی مذہب ممکن نہیں تھی۔ یہ تاریخ وتہذیب کی سطح پر رونما ہونے والی ایک بہت بڑی اور نہایت جوہری تبدیلی ہے جس کی قدر و قیمت کا ادراک کرنے کی ضرورت ہے۔ انسانی تہذیب کے ارتقا نے دور جدید میں بڑے پیمانے پر مسلم آبادی کے دیار مغرب کی طرف نقل مکانی اور یوں مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے باہمی اختلاط کے وسیع اور پر امن مواقع پیدا کیے ہیں۔ اسباب کی دنیا میں یہ پہلو بھی دعوت دین کے زاویے سے بہت اہم ہے، اس لیے کہ انسانی تاریخ میں مختلف مذاہب کے فروغ اور نشر و اشاعت کا عمل بنیادی طور پر اسی طرح کے اختلاط اور تعامل کے نتیجے میں ممکن ہوا ہے۔

اس ضمن میں جدید ذرائع ابلاغ اور ان کی اثر انگیزی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے ذریعے سے دعوت حق کو کسی رکاوٹ کے بغیر دنیا کے آخری کونے میں بسنے والے انسان تک پہنچا دینا جس طرح آج ممکن ہے، اس سے قبل تاریخ کے کسی دور میں ممکن نہیں تھا اور یہ چیز بنی نوع انسان کی سطح پر امت مسلمہ کی ذمہ داریوں اور ترجیحات کے تعین میں اساسی اہمیت کی حامل بن جاتی ہے۔

مغرب میں دعوت اسلام کا فروغ ایک اور پہلو سے بھی غور و فکر اور توجہ کا متقاضی ہے۔ دور جدید میں بطور ایک سیاسی طاقت کے، اسلام کے عالمی احیا کی بات کرتے ہوئے عام طور پر اس کے ایک ہی امکان پر غور کیا جاتا ہے، یعنی مغرب کی سیاسی و معاشی بالا دستی کا خاتمہ اور اس کی جگہ امت مسلمہ کا دوبارہ عروج اور سرفرازی سے ہم کنار ہونا۔ تاہم تاریخ کا مطالعہ ہمیں ایک دوسرے امکان پر بھی غور کی دعوت دیتا ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی قوم کو عالمی سیادت کے منصب سے محروم کیا جاتا ہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ یہ منصب بالعموم کسی دوسری قوم کو ہی سونپتے اور اسے تاریخ وتہذیب کے ارتقا میں اپنا کردار ادا کرنے کا موقع عنایت کرتے ہیں۔ تاریخ کے عمومی قوانین کی رو سے عام طور پر ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی مغلوب قوم از سر نو اٹھے اور قوت واقتدار حاصل کر کے دوبارہ دنیا کی باقی قوموں پر غالب آجائے۔ البتہ ایسا بارہا ہوا ہے کہ سیاسی طور پر غلبہ پانے والی کوئی قوم فکر و نظریہ اور عقیدہ و مذہب کے میدان میں مغلوب قوم سے متاثر ہو کر اس نظریہ حیات کی علم بردار بن جائے اور یوں فاتح قوم کی قوت وصلاحیت اور استعداد مفتوح قوم کے عقیدہ و مذہب کی خدمت کے لیے استعمال ہونے لگے۔

اس کی بڑی واضح مثالیں پچھلے مذاہب کی تاریخ میں بھی ملتی ہیں اور اسلام کی تاریخ میں بھی۔ مثال کے طور پر مسیحی مذہب کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ اپنے آغاز کے بعد کم وبیش تین صدیوں تک اس کے پیروکار رومی سلطنت کے مظالم اور مذہبی ایذا رسانی کا نشانہ بنے رہے۔ تاہم چوتھی صدی میں خود رومی شہنشاہ نے مسیحی مذہب کی پیروی قبول کر لی اور اس کے بعد وہی مذہب جسے اس سے پہلے رومی سلطنت میں جائے پناہ نہیں ملتی تھی، سلطنت کا سرکاری مذہب قرار پاتا ہے۔ گویا مسیحیوں کو رومیوں پر سیاسی غلبہ تو نہیں ملتا، لیکن خود رومیوں کو مسیحی مذہب قبول کرنے کی توفیق مل جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں مسیحیت دنیا میں ایک غالب مذہب اور ایک بڑی سیاسی قوت کے طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اسی عمل کا اعادہ ہمیں یورپ کی قرون وسطیٰ کی تاریخ میں نظر آتا ہے۔ جب مختلف وحشی قوموں کی تاخت کے نتیجے میں مغربی رومی سلطنت تباہ ہو جاتی ہے تو مسیحیت بطور ایک مذہب کے ان مشرک اور بت پرست قوموں کے سامنے مغلوب ومفتوح ہو جاتی ہے، لیکن جلد ہی ہم دیکھتے ہیں کہ مسیحیت انھی وحشی اور اجڈ قوموں کو اپنے رنگ میں رنگ لینے میں کامیاب ہو جاتی ہے اور پھر مسیحیت کو دوبارہ اقتدار مل جاتا ہے، لیکن اس صورت میں نہیں کہ وہ ان حملہ آور قوموں پر طاقت کے میدان میں غالب آجائے، بلکہ اس شکل میں کہ ایک نیا گروہ جو طاقت کے زور پر غالب آ گیا تھا، وہ حلقہ بگوش مسیحیت ہو جاتا ہے۔..................

(بقیہ ص ۳۵ پر)

باخدا! ہم سے غلطیاں ہو رہی ہیں

گیا بہار جانے والے سنی دعوت اسلامی کے آٹھ روزہ نوری قافلے کے چند اہم اور سبق آموز مشاہدات

از: مولانا محمد سجاد برکاتی نجمی

دیہی علاقوں میں دینی خدمات کے تعلق سے بعض ارباب فکر کا یہ ماننا ہے کہ جلد از جلد ان علاقوں میں قدم رکھنے کی ضرورت ہے ورنہ اغیار بازی مار لیں گے بلکہ وہ تو بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ میدان میں اتر چکے ہیں اور علاقے پر علاقے فتح کیے جا رہے ہیں۔اس کے بر خلاف بعض ارباب دانش کام کی ضرورت کے تعلق سے اپنی رائے ظاہر کرنے کے بجائے سوالات کی ایک دیوار کھڑی کر دیتے ہیں مثلاً ان علاقوں میں کیسے کام کریں؟ ویسے بھی کون سا اتنا بڑا سیلاب آ گیا ہے کہ فوراً بند نہ باندھے جائیں تو سب کے سب بہہ جائیں گے۔

کیا واقعی کام کی ضرورت ہے؟ یہ سوالیہ جملہ ہر صاحب نظر کو تھوڑی دیر کے لیے غور وفکر کرنے پر مجبور کرتا ہے لیکن محض فکری صلاحیت پر بھروسہ کرنے کے بجائے بہتر ہوگا کہ حقیقتوں کے اجالے میں کوئی مضبوط رائے قائم کی جائے۔گیا بہار کے اس نوری سفر نے بہت سی ایسی حقیقتیں دکھائیں جن کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کام کی ضرورت واقعی ہے۔ اس ضرورت سے چشم پوشی آگے ہمیں ایک بہت بڑے خسارے سے دو چار کر سکتی ہے۔سفر کے دوران بہت سے علاقوں کا دورہ کیا، ہر علاقے میں تقریباً جو باتیں ایک طرح کی دکھائی دیں، وہ یہ تھیں۔

(۱) بستی میں ایک چھوٹا سا مکتب ہے جس میں مقامی بچے روایتی انداز میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

(۲) ثروت مند گھرانے کے بچے پرائیوٹ اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور غریب گھرانے کے بچے سرکاری اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

(۳) جو بچے کچھ بھی نہیں پڑھتے، ان کا مشغلہ چند گھنٹوں کے کام سے فرصت کے بعد سوائے وقت گزاری کے کچھ نہیں رہتا۔

(۴) آبادی خواہ کتنی بڑی ہو لیکن مسجد میں نمازیوں کی تعداد دو، تین یا چار، بس۔

(۵) آبادی میں کسی مسئلے کو لے کر لوگ آپس میں بٹے ہوئے ہیں اور نفرت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ بعض علاقوں میں مسجدوں اور دینی محفلوں کو لے کر باہم دست و گریباں ہیں۔

(۶) آگے بڑھنے کی طرف کسی کی توجہ نہیں گویا کھانے پینے اور سونے کے علاوہ کچھ جانتے ہی نہ ہوں۔

(۷) چند رسوم کو پورا دین سمجھ بیٹھے ہیں مثلاً فاتحہ خوانی، میلاد منانا، کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام پڑھنا، وغیرہ۔افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ان مخصوص مراسم کو دین سمجھنے والوں میں پیش پیش وہ افراد نظر آئے، جن کو دین سے کوئی واسطہ نہیں۔

اس طرز کی بہت ساری چیزیں دیکھنے کو ملیں۔مذکورہ باتوں کو غور سے بار بار پڑھنے کی ضرورت ہے۔تھوڑی دیر کے لیے سوچیے! اگر چند سالوں تک یہی صورت حال رہی اور ہم کسی بہانے چپ چاپ بیٹھے رہے تو کیا ان علاقوں کا نقشہ چند سالوں بعد یہی رہ جائے گا جس طرح آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، نہیں بالکل نہیں، نقشہ کچھ اور ہوگا، آثار تو ابھی سے نظر آ رہے ہیں۔ان علاقوں میں دشمن بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ بغیر شور مچائے اپنے لیے راستہ ہموار کر رہے ہیں۔اس کی چند مثالیں اس سفر میں دیکھنے کو ملیں۔

ایک علاقے میں ایک صاحب نے بتایا کہ مولانا صاحب! ہم چھوٹے تھے تو ہمارے علاقے میں ہر گھر میں فاتحہ خوانی اور ہر مسجد سے بعدِ نماز فجر صلاۃ وسلام کی صدائیں گونجتی سنائی دیتیں لیکن اب چند سالوں سے یہ ساری چیزیں بند ہو گئیں اور ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے، اس لیے کہ علاقے کے بااثر افراد ان کی طرف مائل ہیں۔اب تو ہمارے گھر میں صرف میں ہی سنی بچا ہوں اور میرے دونوں بھائی جماعت والوں کی مسجد میں جاتے ہیں، وہیں نماز پڑھتے ہیں اور ہمیشہ ان ہی کا گن گاتے ہیں۔

بااثر افراد آخر کیوں ان کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔اس تعلق سے بعض احباب کا یہ خیال ہے کہ پیسوں سے ان کو خرید لیا جاتا ہے۔ یہ بات کچھ حد تک تو درست ہے لیکن کبھی انہیں بااثر افراد سے پوچھ لیا جائے تو جواب میں وہ یہ جملے دہراتے ہیں کہ سینوں میں چیخ و پکار کے

علاوہ کیا رہ گیا ہے؟ جو دین سنیوں کے علما ہمیں اپنے اسٹیج سے سمجھاتے ہیں وہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ کچھ حضرات تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ آپ کے علما تو اسٹیج پر چڑھ کر گالیاں دیتے ہیں، یہ دین سمجھانے کا کوئی طریقہ ہے؟ اور آپ کے بے چارے عوام ایسے خطیبوں کی گرج دار آواز میں آواز ملا کر نعرہ لگانے میں اپنی دنیا و آخرت کی کامیابی سمجھتے ہیں۔ اور بھی لوگ ہیں جو دین سمجھاتے ہیں اور ان کا سمجھانا ہمیں خوب بھاتا ہے۔ کیا بارسوخ افراد ایسا کہنے میں حق بہ جانب ہیں؟ بڑی مہربانی ہوگی کہ اس سوال کا جواب اگر ہم اپنے آپ سے پوچھیں، کسی پر کیچڑ اچھالنا مقصود نہیں، صرف حقیقت سے پردہ اٹھا کر حقیقت کی زیارت کرانی مقصود ہے۔ اگر حقیقت یہی ہے جو بااثر افراد کہتے ہیں، بھلے کچھ حد تک، تو ہمیں کیا کرنا چاہیے، کیا ضد کرتے ہوئے پرانا رویہ اپنانا چاہیے، حقیقت تو آئینہ بن کر ہمیں اپنے چہروں کے داغ دکھا رہی ہے، شاید عقل مندی یہی ہے کہ ہم اپنے داغ صاف کر لیں ورنہ برسوں کی محنت کے بعد جب کچھ ہاتھ نہیں آئے گا تو کفِ افسوس ملتے ہوئے بڑی حسرتوں کے ساتھ صرف یہی شعر دہراتے رہیں گے۔

عمر بھر یہی غلطی کرتے رہے غالب
داغ چہرہ پر تھا اور آئینہ صاف کرتے رہے

سنی دعوت اسلامی کے اس نوری قافلے نے جن حقیقتوں کا مشاہدہ کرایا، ان میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ ہم ایک جگہ عصر کے وقت پہنچے۔ نوری قافلے کا شیڈول یہ تھا کہ نماز کے وقتوں میں مسجدوں میں پہنچتے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد جو ضروری باتیں کہنی ہوتیں، ساتھیوں میں سے کوئی اٹھ کر ان ضروری باتوں پر روشنی ڈالتا۔ یہاں جب عصر کے وقت پہنچے تو کیا دیکھا کہ پوری مسجد میں بلکہ اس کے اردگرد بھی ایک شخص بھی نظر نہیں آیا۔ پوری مسجد پر سناٹا چھایا ہوا ہے، تھوڑی دیر ہم نے انتظار کیا کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ آجائے لیکن کافی وقت گزر جانے کے بعد جب کوئی نظر نہیں آیا تو ساتھیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ از خود اذان دے کر نماز پڑھ لیتے ہیں اور دوسری جگہ کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں۔ آخر کار ہم نے ایسا ہی کیا، مسجد کی ویرانی دیکھ کر دل و دماغ پر ایک عجیب و غریب کیفیت طاری ہوگئی۔ مسجد کی ویرانی زبان حال سے گویا یہ کہہ رہی تھی:

ہائے اسلام! تیرے چاہنے والے نہ رہے
جس کا تو چاند تھا افسوس! وہ ہالے نہ رہے

اس واقعہ کا ذکر کر کے اگر ارباب نظر سے ان کی رائے مانگی جائے تو بعض تو یہ کہہ کر ٹال دیں گے کہ ایک آدھ بار کا واقعہ ہے، گاؤں وغیرہ میں تو ایسا ہوتا ہے۔ ان کے کہنے کے مطابق گویا یہ قابل توجہ نہیں۔ اگر ایک آدھ بار ایسا ہوتا ہے تو ہونے دو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔ ذرا ماضی میں جھانک کر دیکھیں تو بار بار ہمارے ساتھ یہی دھوکہ ہوا ہے کہ توجہ طلب چیزوں کو ہم خود سے چھوٹی سمجھ کر ناقابل توجہ بنا دیتے ہیں۔ پھر جب وہ بڑی بن کر پورے سماج کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے تو پھر یہ سوچ کر توجہ نہیں دیتے کہ اب کیا ہو سکتا ہے؟ کیا آج سے پہلے طلاق کا مسئلہ اتنا گمبھیر تھا، کیا ہر گھر میں بھائی بھائی کی لڑائی ہوتی تھی، کیا ہر بیٹا باپ کا نافرمان ہوتا تھا؟ لیکن چوں کہ یہ آگ پہلے کسی ایک گھر میں لگی تھی تو ہم یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ ہر گھر میں ایسا تھوڑی ہوتا ہے، سبھی لوگ تھوڑی ایسا کرتے ہیں لیکن جیسے جیسے خود کے گھر میں آگ لگی تو اب ہماری زبان پر صرف ایک یہی جملہ ہے کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا، سماج میں پھیلی برائیوں کے تعلق سے ہم پہلے کبھی فکر مند ہوئے اور نہ آج کچھ سوچنے کے لیے تیار ہیں۔ یاد رہے برائیاں بروں کی وجہ سے جتنی پھیلتی ہیں اس سے کئی گنا زیادہ نیکوں کی خاموشی کی وجہ سے پھیلتی ہیں۔

سب سے زیادہ حیرت اُس وقت ہوتی ہے جب ہمارے ارباب نظر سماج میں پھیلی برائیوں پر افسوس اور حیرت کا اظہار کرنے کے بجائے دوسری چیزوں پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ نے بھی شاید یہ جملے سنے ہوں گے کہ سنی ہو اور فاتحہ نہ کرے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، سنی ہو صلاۃ و سلام نہ پڑھے، نذر و نیاز نہ کرے، ایسا ہرگز نہیں سکتا۔ غور کیجیے! ہمیں حیرت کن چیزوں پر ہو رہی ہے۔ خدارا ہم اپنا تعارف چند مراسم کے طور پر نہ کرائیں ورنہ کل ہم مراسم کے پجاری کہلا کر سب سے الگ تھلگ کر دیے جائیں گے۔ جتنا زور مراسم پر دے رہے ہیں اس سے زیادہ فرائض و واجبات پر دیں تاکہ دشمن ہماری کمیاں دکھا کر بااثر افراد کو اپنی طرف مائل نہ کر سکیں۔ اگر زبردستی خود کو ٹھیک قرار دینے کی غلطی پھر دہراتے رہے تو ایک دن حقیقت ضرور ہماری آنکھیں کھول دیں گی البتہ اس وقت ہمارے پاس کرنے کے لیے کچھ نہیں رہ جائے گا۔

ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ نوری قافلے نے ایک اور بڑی زبردست حقیقت کا مشاہدہ کرایا۔ ایک علاقے میں جب ہم پہنچے تو چاروں

طرف ہندو ہی ہندو دکھائی دیے۔ مقامی لوگوں سے استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ اندر مسلم آبادی ہے۔ اندر گئے تو کیا دیکھا کہ مٹی کی بنائی ہوئی مسجد ہے جس میں چند بوڑھے پانچ وقت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ جب وہاں اجتماع سے فارغ ہوئے تو ایک صاحب نے ہاتھ جوڑ کر کہا مولانا جی! کچھ مت کیجیے صرف ہمارے لیے ایک مسجد بنا کر دے دیجیے۔ یہ دیکھ کر جب وہاں سے باہر نکلے تو ہر ساتھی کی زبان پر صرف یہی ایک جملہ تھا کہ آج کے زمانے میں بھی ایسا ہوسکتا ہے؟ شاید تھوڑی دیر کے لیے آپ کو بھی حیرت ہوگی کہ آج بھی ایسے علاقے میں ہیں جہاں لوگ مٹی کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ جی ہاں ایک نہیں بہت ہیں، صرف آنکھوں سے خوش فہمی کی پٹیاں اتارنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ایسے علاقوں پر دشمن اپنی نگاہیں جما کر رکھتے ہیں اور موقع ملتے ہی کام کر جاتے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ ایسے سادے لوگ جن کو پاؤں تلے کی خبر نہیں اور جو غربت کے سبب خانۂ خدا آباد نہیں کر پاتے، اگر ان کو دشمن عالی شان مسجد بنا کر دیں اور بچوں کی تعلیم کے لیے معقول بند و بست کر دیں اور ہم صرف قوم کو یہ بتاتے رہیں کہ ان کے پیچھے مت بھاگو! یہ بڑے گندے لوگ ہیں، ان کا ایمان وعقیدہ صحیح نہیں، یہ خود گم راہ ہیں تم کو بھی گم راہ کر دیں گے تو جیت کا سہرا کس کے سر بندھے گا؟ ہم نے کبھی اسراف کی تباہ کاریوں کو اپنی تقریر کا عنوان بنایا کہ لوگ شادی اور دوسرے مواقع پر فضول خرچی سے بچ کر قوم کی ضرورت کو اپنی ضرورت سمجھ کر ان معاملات میں دامے درمے قدم بڑھائیں۔ خیر اب تو یہ حیثیت قوم اصلاح کی بات کو بعض ارباب دانش غیر ضروری اور بکواس تصور کرنے لگے ہیں، البتہ اتنا یاد رہے کہ قوم از خود تباہی کے اس دہانے تک نہیں پہنچی ہے۔ جنت کی بشارتیں سنا سنا کر ہم نے یہاں تک پہنچایا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ آگ کے شعلے اس قدر بلند ہوجانے کے باوجود ہم نے ابھی بچاؤ کی کوئی تدبیر نہیں نکالی۔ کیا ہم نے یہ طے کرلیا ہے کہ اس آگ میں جلنا تو گوارا ہے لیکن خود کو بدلنا گوارا نہیں۔ شاید ہمارے دماغ میں یہ بھوت سوار ہے کہ ہم سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی اس لیے کہ ہم سنی ہیں۔ سنیو! سن لو غلطی ہوئی ہے اور بخدا غلطی ہو رہی ہے، اور بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔ اس غلطی کو دہرانے کی نہیں سدھارنے کی ضرورت ہے۔ اندازِ فکر و عمل بدلنے کی ضرورت ہے۔ قوم اور سماج کے تئیں فکر مند ہونے کی ضرورت ہے۔ اتنا ضرور یاد رکھیں کہ دشمن ہماری آبادی میں سرد ہوا کی طرح گھس رہے ہیں اور کل طوفان بن کر ایمان وعقیدے کی بنیادوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیں گے، اس سے پہلے ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے اور اگر صرف تماشہ دیکھنے کا شوق ہے تو پھر انتظار کیجیے۔

قافلے کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا:

سماج میں پھیلی برائیوں کے تعلق سے جب اصلاح کی بات کی جاتی ہے اور اس کے تئیں خطبا کے احساسِ ذمہ داری کا تذکرہ چھیڑا جاتا ہے تو بعض احباب پورا قصور خطبا کا قرار دیتے ہیں، یہ ہماری سب سے بڑی بے وقوفی ہے۔ اللہ پاک قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا.

اور جان کی (قسم) اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی۔

کوئی بھی کام شروع کرتے وقت کبھی ہم آگے پیچھے جھانک کر دیکھتے ہیں؟ نہیں کبھی نہیں۔ ہم سے سرزد ہونے والی پہلی غلطی یہی ہے۔ مثلاً اگر کہیں کوئی جلسہ کرانا ہے تو پہلی فرصت میں کسی جوشیلے خطیب کا انتخاب کرتے ہیں اور یہ دراصل ماحول سے سمجھوتے کا نتیجہ ہے اور لوگ کہتے بھی ہیں کہ فلاں خطیب صاحب کا انداز بڑا نرالا ہے، بولتے ہیں تو لگتا ہے کہ کوئی بول رہا ہے، ان کا دہاڑنا بالکل شیر کی طرح ہوتا ہے۔ کسی خطیب کے انتخاب کے وقت یہی ساری چیزیں پیش نظر رہتی ہیں۔ کسی قوم کے فکری زوال کا عالم یہ ہو تو نتائج کیسے برآمد ہوں گے، اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ شاید و باید ہی ہمارا کوئی کام کسی خاص سماجی ضرورت کے پیش نظر کیا جاتا ہو بلکہ کسی خاص عنوان سے جلسہ کرانے کو اغیار سے تشبیہ دیتے ہیں۔ بہر حال غلطی پہلے تو ہم سے ہوتی ہے، حالات بدلنے کی خاطر جلسہ کرائیں اور خود پہلے حالات سے سمجھوتہ کر بیٹھیں اور وہ بھی صرف اس لیے کہ مجمع زیادہ ہو، نعرے خوب لگیں، واہ واہی ہو۔ گیہوں کا بیج بو کر چاول کے فصل کی امید کرنا بے وقوفی نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ جی ہاں! ہر قدم پر احتسابِ عمل کی ضرورت ہے۔

پھر دوسری غلطی ہمارے خطبا و شعرا حضرات سے ہوتی ہے، وہ بجائے عوام کو ان کی غلطی پر تنبیہ کرنے کے، پرانے رویے پر اتر جاتے ہیں۔ ایسے موقع پر بعض ارباب فکر یہ کہتے ہیں کہ اصل میں ایسے خطبا کو حالات سے واقفیت نہیں ہوتی۔ یہ خیال صد فیصد نہیں ہزار فیصد غلط ہے۔ بھلا دن رات گاؤں گاؤں، شہر شہر سفر کرنے والا حالات

سے بے خبر ہو سکتا ہے؟ پتہ سب کچھ رہتا ہے، بات اصل میں روایتی خول سے باہر نکلنے کی ہے جو تقریباً تمام خطبا کے لیے ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ یہ وہ حقیقتیں ہیں جو زمین سے بالکل چمٹی ہوئی ہیں۔ اگر ان سے صرفِ نظر کر کے منزل تک پہنچنے کی سوچ رہے ہیں تو قیامت تک ایڑیاں رگڑتے رہیں اور ہاتھ کچھ بھی نہ آئے گا۔ اور یہ شعر ہم پر صادق آئے گا:

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
قافلے کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

غلطیاں تو خود کریں لعنت کریں شیطان پر: اس نوری سفر میں بعض احباب سے ملاقات ہوئی اور ان معاملات کو لے کر ان سے تبادلۂ خیال ہوا تو وہ کہنے لگے۔ ان علاقوں میں کام بہت مشکل ہے، وسائل کی کمی ہے، پھر لوگوں کا مزاج مختلف ہے۔ اچھی بات ان کو ہضم نہیں ہوتی، سنیں گے غور سے مگر جب عمل کی بات آئے گی تو بہانہ بازی سے کام لیں گے۔ لوگوں کے مزاج کا مختلف ہونا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن کیا کبھی ایک ہو بھی سکتا ہے؟ نہیں کبھی نہیں تو پھر اسے ایشو بنانا ہی غلط ہے۔ اسی طرح دھیان سے سب سنیں گے لیکن عمل بہت کم لوگ کریں گے، تو ہر زمانہ میں ایسا ہی ہوا ہے اور ہمیشہ ایسا ہی ہوگا۔ رہی بات وسائل کی کمی کی تو شاید ایسا ہر گز نہیں ہے۔ میدان بالکل صاف ہے، صرف دل بڑا کر کے قدم بڑھانے کی ضرورت ہے۔

کچھ نہ کرنے کی وجہ صرف اتنی نہیں ہے، بات کچھ اور بھی ہے۔ جب لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ آپ کسی بات پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ تو پلٹ کر یہ جواب دیتے ہیں کہ جو کہتے ہیں وہ کتنا کرتے ہیں۔ یہ ہے حقیقت۔ اگر ہم اسے تسلیم کرنے کے بجائے چراغ پا ہو جائیں تو بات کیسے بنے گی؟ خطاب کرنا بھی عبادت ہے اور قوم کی اصلاح کی خاطر حقیقت کی ضربیں برداشت کرنا بھی عبادت ہے۔ آخر اس عبادت کو کب بجا لائیں گے؟ رہی بات وسائل کی تو پہلے یہ طے کر لیں کہ دعوت کے کام میں کن وسائل کی ضرورت ہے، کیا پیسوں کی، کیا سپورٹ کی؟ تو گاؤں دیہات کے باشندگان سے شروع ہی میں ان چیزوں کی امید بے جا اور فضول ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ وسائل زمین سے پیدا نہیں ہوتے، وسائل خود تیار کرنا پڑتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے ہم یہ بھی سوچیں کہ یہ کائنات خدا کے حکم سے چلتی ہے۔ جب درخت کا ایک پتہ اذن الٰہی کے بغیر زمین پر گر نہیں سکتا تو کیا قوم صرف ہمارے چہروں کو دیکھ کر ہم پر اپنی جان چھڑک دے گی۔ پہلے وہ جانے گی کہ کس قدر دل سے یہ ہمارے خیر خواہ ہیں کیوں کہ داڑھی، جبہ، قبہ سے لوگوں کا اعتماد اٹھتا جا رہا ہے اور اب ہر گلی میں یہ کہنے والا ملے گا:

لباس خضر میں یہاں رہزن بھی پھرتے ہیں
اگر اس دور میں جینا ہے تو پہچان پیدا کر

انقلاب مصطفوی کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ لوگوں کو احساس ہو چلا تھا کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنی جان سے بھی زیادہ چاہتے ہیں۔ ان کی دعوت ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر صرف ہماری ہدایت کی خاطر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ پتھر پھینکنے والے جب قدمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہوئے تو پھر زندگی بھر ان کے لیے ایک لمحہ جدا ہونا مشکل ہونے لگا۔ داعی کا جذبۂ خیر خواہی جب تک ذاتی مفادات سے پاک نہیں ہوگا تب تک قوم سننا تو کیا دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گی۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ غلطیاں عرصۂ دراز سے ہم سے ہو رہی ہیں اور ہم دانستہ ان پر پردہ ڈالتے رہے ہیں اور اب نتیجہ ایک بھیانک حقیقت کی صورت میں ہمارے سامنے آچکا ہے۔ اب بھلائی اسی میں ہے کہ ہم شرحِ صدر کے ساتھ اسے مان لیں، مزید تباہی کا انتظار نہ کریں۔

زیادہ شور مچانے کی ضرورت نہیں: عموماً جب ہم کسی کام کی اہمیت سے آگاہ ہوتے ہیں تو بہت حد تک جذباتی ہو جاتے ہیں اور جذبات میں آکر کام بنانے کے بجائے بگاڑ دیتے ہیں اور کام کرنے کے بجائے شور زیادہ مچاتے ہیں مگر چند دنوں بعد جب جذبات سرد پڑ جاتے ہیں تو بالکل بت کی طرح خاموش ہو جاتے ہیں۔ ہمارے اس عمل سے جہاں دشمنوں کو ہنسنے کا موقع ملتا ہے وہیں نئی نسل لاشعوری طور پر ایک غلط پیغام اخذ کر لیتی ہے اور آئندہ پھر وہ یہ سوچ کر قدم نہیں اٹھاتی کہ ان کی نگاہوں کے سامنے ہمارا پورا کیا دھرا عیاں رہتا ہے۔ اگر دین وملت کی خاطر واقعی کچھ کرنے کا جذبہ ہے تو پھر شور مچانے کی ضرورت نہیں اور نہ آرا وتجاویز کا ذکر کر کے مجھے کوئی رسم ادا کرنا ہے۔ آیئے! پہلے ہم آپس میں جڑ جائیں، پھر اگلا قدم کیا ہوگا، آپس میں مل بیٹھ کر طے کریں۔ یہ گزارش خاص طور پر گیا اور جھاڑکھنڈ کے ارباب فکر ونظر سے ہے۔

●●

قبرستانوں کا برا حال، ذمہ دار کون؟

از: حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی

اللہ رب العزت ہی تمام جہانوں کا پیدا فرمانے والا ہے۔ ہر جان دار اور بے جان چیزوں کا خالق و مالک اور نگہبان ہے۔ ہر چیز اس کے قبضے میں ہے۔سب کا کارساز اور وکیل وہی ہے۔زمین و آسمان کی کنجیوں اور خزانوں کا وہی مالک ہے۔قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ ۔

(سورۂ زمر ۳۹،آیت ۶۱)

ترجمہ: اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ (کنزالایمان) اسی نے موت وحیات کو پیدا فرمایا ہے۔ (سورۂ ملک ۶۷،آیت ۲،۱) ترجمہ: وہ ذات نہایت بابرکت ہے جس کے دست (قدرت) میں (تمام جہانوں کی) سلطنت ہے،اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔جس نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا فرمایا کہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے،اور وہ غالب ہے بڑا بخشنے والا ہے۔(کنزالایمان)

رب کریم نے موت وحیات کو اس لیے پیدا فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کی آزمائش فرمائے گا کہ اس نے احکام الٰہی کی پابندی کی یا نہیں،اس نے دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے اب جو دنیا میں آیا ہے اس کی ذمہ داری ہے وہ دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی زندگی کی بھی فکر کرے۔صرف دنیا کمانا،شان دار مکان بنانا اور دنیا کو بہتر سے بہتر کرنا ہی مقصد حیات بنالینا یقیناً خسارے کا کام ہے۔اللہ نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا اور یہ بھی اعلان فرمایا کہ میں تمھیں روزی دیتا ہوں۔انسان یہ جانتے ہوئے بھی ایک نہ ایک دن مرنا ہے پھر بھی دنیاوی زندگی سجانے سوارنے میں مگن ہے جب کہ سب کو مرنا ہے اور سبھی کو زمین میں ہی دفن ہونا ہے اور سب کو وہی دوگز زمین ملے گی بادشاہ ہو یا فقیر،امیر ہو یا غریب سب کو زمین کے گڈھے میں ہی دفن ہونا ہے۔میت کو دفن کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ جائز نہیں کہ میت کو زمین پر رکھ دیں اور چاروں طرف سے دیواریں کھڑی کرکے بند کردیں،قبر کی لمبائی میت کے قد کے برابر اور چوڑائی آدھے قد کے برابر اور گہرائی کم از کم آدھے قد کے برابر ہو۔(وقارالفتاویٰ: کتاب صلاۃ الجنازۃ،ج ا ص ۲۶) قبروں کے اندر باہر کسی طرح کی سجاوٹ کرنا منع ہے،اب وہاں صوفہ ہے نہ بلب کی روشنی اور نہ نائٹ بلب۔اپنے اپنے اعمال کے مطابق وہیں سے جزا وسزا کا دور شروع ہوجائے گا۔انتہائی عبرتناک حدیث پاک ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا پڑھتے: اے اللہ! قبر کے عذاب سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔زندگی اور موت کے فتنوں سے تری پناہ مانگتا ہوں۔دجال کے فتنوں سے تری پناہ مانگتا ہوں،گناہوں اور قرض سے تری پناہ مانگتا ہوں۔اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ تو قرض سے بہت ہی پناہ مانگتے ہیں۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مقروض ہوجاتا ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ خلاف ہوجاتا ہے (بخاری: حدیث نمبر ۸۳۲) اسی طرح اور بھی حدیثیں ہیں۔دنیا میں شاہی زندگی گزارنے کے بعد اب اعمال کے اعتبار سے اللہ رب العزت قبر کو کشادہ فرمائے گا،انسان کے اعمال کے مطابق قبر انسان کو دبوچے گی اتنی طاقت سے کہ سیدھی طرف کی پسلی بائیں طرف چلی جائے گی اور بائیں طرف کی سیدھی طرف چلی جائے گی اور مردہ تکلیف سے زور سے چیخے گا کہ میلوں اس کی آواز جائے گی سوائے انسان کے ہر مخلوق اس کی آوز سنے گی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر انسان مردے کی چیخ سن لے تو بے ہوش ہوجائے گا۔(مفہوم حدیث)

سب سے پہلے تدفین حضرت ہابیل کی ہوئی: جب قابیل نے ہابیل کو قتل کردیا تو چوں کہ اس سے پہلے کوئی آدمی مرا نہیں تھا اس لیے قابیل حیران تھا کہ بھائی کی لاش کا کیا کروں چنانچہ کئی دنوں تک وہ لاش کو پیٹھ پر لادے پھرتا رہا۔ پھر اس نے دیکھا کہ دو کوے آپس میں لڑے اور ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔پھر زندہ کوے نے اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کریدکر ایک گڑھا کھودا اور اس میں مرے ہوئے کوے کو ڈال کر مٹی سے دبادیا۔یہ منظر دیکھ کر قابیل کو معلوم ہوا کہ مردے کی

لاش کو زمین میں دفن کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے قبر میں بھائی کی لاش کو دفن کر دیا۔ اللہ نے مردے کو زمین میں دفن کرنے کا طریقہ قرآن میں بتایا ہے (سورۃ المائدہ آیت ۳۱ وغیرہ) قبر کے اندر کی دیواریں وغیرہ کچی مٹی کی ہوں، آگ کی پکی ہوئی اینٹیں استعمال نہ کی جائیں۔ اگر اندر پکی ہوئی اینٹ کی دیواریں ضروری ہوں تو پھر اندرونی حصہ مٹی کے گارے سے اچھی طرح سے لیپ دیا جائے (ردالمختار: کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ فی دفن المیت، ج ۴، ص ۱۶۷/ عالمگیری: ج ۱، ص ۱۴۴) قبر کے اندر چٹائی وغیرہ بچھانا ناجائز ہے کہ بے سبب مال ضائع کرنا ہے۔ اونٹ کی کوہان کی طرح قبر کو ڈھال نما بنائیں، چوکھونٹی ڈھال رکھیں اور قبر کو اینٹوں سے پکی نہ کریں۔ قبر ایک بالشت یا تھوڑا اور اونچی ہو زیادہ اونچی نہ بنائیں بعد دفن قبر میں پانی چھڑکنا مسنون ہے۔ (ردالمختار: ج ۳، ص ۱۴۹، ۱۴۸/ فتاویٰ رضویہ: ج ۹، ص ۳۷۳)

مردے کے لیے دعاے مغفرت سنت ہے:

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایک نیک بندے کا درجہ بلند فرمائے گا تو وہ کہے گا کہ اے میرے رب! کہاں سے یہ مرتبہ مجھ کو ملا؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیرے بیٹے نے تیرے لیے مغفرت کی دعا مانگی ہے اس لیے تجھے یہ درجہ ملا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح: کتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبہ، ج ۱، ص ۴۴۰، حدیث ۲۳۴۵)

ایصال ثواب ودعاے مغفرت کی اور بھی حدیثیں ہیں، مطالعہ فرمائیں۔

قبروں کی بے حرمتی نہ کریں: اب زمانہ مُنْقَلِبْ ہوا (بدل گیا) لوگ جنازہ کے ساتھ اور دفن کے وقت قبروں پر بیٹھ کر لغویات وفضولیات اور دنیوی تذکروں بلکہ خندہ ولہو میں مشغول ہوتے ہیں تو انھیں ذکر خدا ورسول کی طرف مشغول کرنا عین ثواب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: ج ۹، ص ۳۷ و ۱۷) بلکہ میت کے لیے بکثرت دعا مانگو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نماز وبعد نماز دونوں وقت میت کے لیے دعا فرمانا اور مسلمانوں کو دعا کا حکم دینا ثابت ہے۔
(صحیح مسلم: کتاب الجنائز)

مومن قبروں کے اندر بھی تلاوت کرتا ہے۔ ایک حدیث پاک میں ہے۔ ایک صحابی نے ایک جنگل میں زمین کے اندر سے سورۂ ملک پڑھنے کی آواز سنی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں کسی مومن کی قبر ہے، وہ زندگی میں سورۂ ملک پڑھا کرتا تھا اب بھی قبر میں پڑھ رہا ہے۔ (تفسیر نورالعرفان: ص ۸۹۷)

قبرستان یا قبروں کی حرمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ قبروں پر نماز جنازہ بھی پڑھنا ہرگز جائز نہیں، نہ ان پر کوڑا کرکٹ ڈالنا جائز، اس لیے اس کا خیال رکھا جانا بہت ضروری ہے کہ وہاں یہ چیزیں ہرگز نہ ہوں۔ ہاں اگر وہاں اس کے قریب کوئی قطعہ زمین ایسی ہو جہاں قبریں نہ تھیں تو وہاں نماز کی اجازت ہے۔ میت اگر تابوت کے اندر ہے تو نماز اس میں جائز ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: کتاب الجنائز، ج ۹، ص ۴۹)

قبرستانوں کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں کی ہے:

قبرستان بھی مسلمانوں کی ضرورت و پہچان ہے۔ آج اگر کوئی دوسرا ہمارے مذہب اور شعار کے بارے میں کچھ کہتا ہے تو ہم سبھی اس کی مخالفت کرنے لگتے ہیں لیکن آج قبرستانوں کا جو خراب حال ہے اس کے ذمے دار مسلمان ہی ہیں، کوئی دوسری قوم کے لوگ نہیں ہیں۔ قبرستانوں کی زمینوں پر قبضہ کرنا، دوکانیں بنانا، مارکیٹ بنانا، گودام بنانا وغیرہ وغیرہ۔ یہ کام آر ایس ایس، بجرنگ دل، شیو سینا والے نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہمارے بھائی بند یعنی مسلمان ہی کر رہے ہیں۔ حیرت ہے کہ کبھی مسلمان قائدنے اس پر اپنی زبان نہیں کھولی۔ شعائر اسلام اور ثقافت کے خلاف جو کام اپنے لوگ کر رہے ہیں تو لوگ ''ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم'' کی تصویر بن جاتے ہیں یہ بہت تشویش ناک ہے۔ ہم سب کی دینی واخلاقی ذمے داری ہے کہ مل بیٹھ کر اس سلگتے ہوئے مسئلے پر دھیان دیں اور ضرور قدم آگے بڑھائیں۔ خدا نخواستہ کہیں ایسا زمانہ آ جائے کہ مردہ لے کر لوگ گھوم گھوم کر مردہ دفن کرنے کے لیے زمین تلاش کرتے پھریں۔ کوئی عجب نہیں کہ مسلم دشمن عناصر ایسا قانون بنا دیں کہ مسلمانوں کو بھی شمشان میں جلایا جائے جیسا کہ آواز اٹھائی جا رہی ہے کہ قانون بنایا جائے وغیرہ وغیرہ۔ خدارا! مسلمانوں جاگو اور اپنے دین وایمان اور تہذیب وثقافت قبرستانوں کی دیکھ بھال کرو۔ اگر ہر آدمی نہیں بولے گا تو خرابی اور بڑھے گی اس لیے خواب غفلت سے بیدار ہوں اور غیرت ایمانی سے اس میں حصہ لیں۔ اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔ آمین

●●

وفیات

شمالی بنگال کے ایک ناقابل فراموش داعی ومبلغ

حضرت مولانا محمد تمیز الدین اشرفی مرحوم کا ذکر جمیل جنھوں نے علاقے میں خوب خوب کام کیا

از: محمد کمال الدین اشرفی مصباحی

سیمانچل کے ممتاز و معروف جید عالم دین اور شمالی بنگال کے ایک بڑے عالم دین حضرت مولانا محمد تمیز الدین اشرفی مرحوم ومغفور کا مورخہ ۲۱/ربیع الاول مطابق ۱۱/دسمبر بروز دوشنبہ صبح ۹/بجے اچانک حرکت قلب بند ہونے سے وصال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۱۲/دسمبر بروز بدھ آپ کی تدفین عمل میں آئی، صاحب زادہ مولانا محمد ابرار عالم مصباحی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، جنازہ میں بہار و بنگال سے معتقدین وعوام وخواص کے ساتھ علما، ائمہ مساجد اور درسگاہوں کے اساتذہ بھی کثیر تعداد میں موجود تھے اور ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں گاؤں کی قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

مولانا موصوف کی پیدائش ۱۹۴۰ء میں نور گنج سن قطرہ، کٹیہار میں ہوئی تھی اور آپ نے وہاں سے ہجرت کر کے اپنے سسرال میناپور، سالماری، کٹیہار میں سکونت اختیار کی تھی اور تقریباً ۷۷ سال کی عمر میں وہیں آپ نے اپنی زندگی کی آخری سانس بھی لی۔

آپ جامعہ منظر اسلام بریلی شریف سے فارغ التحصیل تھے، صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت اور ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری کے فیض یافتہ اور خاص تلامذہ میں تھے۔ اوصاف و کمالات میں اپنے اسلاف اور خصوصاً اپنے اساتذہ کے نمونہ تھے۔ مفتی رحمت حسین کلیمی رحمۃ اللہ علیہ (تنظیم المسلمین بائسی پورنیہ)، مولانا معین الدین اشرفی، مولانا عبد الطیف اور مولانا حبیب الرحمٰن جیسے مایہ ناز رفقائے درس آپ کی شخصیت پر رشک کیا کرتے تھے، معقولات ومنقولات پر گہری نظر رکھتے تھے، دینی درسگاہوں کے ایک مایہ ناز استاذ جماعت علما کی صف میں نمایاں مقام رکھتے تھے، جہاں رہتے روح رواں اور صدر کی حیثیت سے رہتے اور اپنے معاصرین پر امتیازی شان رکھتے تھے، ان تمام خوبیوں کے ساتھ خدمت دین متین اور مسلک حق وصداقت کی تبلیغ واشاعت کا جذبۂ صادق آپ کی ذات میں خاص طور پر تھا۔ ایک سچے داعی اور مبلغ کی حیثیت سے آپ نے اس فریضہ کو خوب خوب انجام بھی دیا، جس کا جیتا جاگتا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے دینی خدمات اور مذہب اہل سنت و جماعت کی ترویج و اشاعت کے لیے ریاست بنگال کا ایسا علاقہ انتخاب فرمایا جو اس وقت دینی تعلیم سے نابلد اور جہالت وتاریکی کے دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ ہنود کے بہت سارے رسم ورواج مسلمانوں کے اندر داخل ہو چکے تھے، آپ دین کی تمیز (تمیز الدین) اسم بامسمی ہو کر اپنی آفاقی فکر ونظر اور قائدانہ صلاحیتوں سے اسلامی پاکیزہ ماحول پیدا کیا، مسلمان اسلامی تعلیمات سے واقف ہونے لگے اور ہندوانہ رسم ورواج جو صدیوں سے ان کے درمیان رائج تھا ان سے مکمل طور پر قطع تعلق کر کے دین اسلام کے عقائد ونظریات اور معمولات اہل سنت پر کلی طور پر آ گئے۔ آپ نے حق و باطل کے درمیان نشان امتیاز کو لوگوں پر اس طرح واضح فرمایا کہ بد مذہبوں کی لاکھوں کوششوں کے باوجود ان کی حیثیت شمالی بنگال میں دال میں نمک برابر کی ہے اور وہ خال خال نظر آ رہے ہیں، ان کے پاس نہ کوئی مضبوط پلیٹ فارم ہے اور نہ کوئی اپنا ادارہ جب کہ ہندوستان کے دیگر علاقوں کا حال اس کے برعکس ہے، سلّی گوڑی، جلپائی گوڑی، دھوپ گوڑی، مینا گوڑی، بنا گوڑی، کوچ بہار، دارجلنگ، سکم، دوارس اور ریاست آسام وبھوٹان کی سرحد تک جو آج اہل سنت و جماعت کی چہل پہل نظر آ رہی ہے یہ سب کچھ آپ کی دینی وتبلیغی خدمات کا ثمرہ اور آپ کی انتھک محنت ولگن، جہد مسلسل، عمل پیہم اور کاوشوں کا ہی نتیجہ ہے۔ مستقبل میں دینی خدمات کے حوالے سے شمالی بنگال کے ان علاقوں کی جب بھی کوئی تاریخ رقم کی جائے گی آپ کی ان زریں خدمات کا ذکر سنہرے حروف سے کیا جائے گا اور آب زر سے لکھا جائے گا، آپ کی روحانی شخصیت کا ذکر کیے بغیر وہ تاریخ ادھوری اور ناقص سمجھی جائے گی۔ آپ نے تقریباً

نصف صدی سے زیادہ ان علاقوں میں دین وسنیت کی خدمات انجام دی ہیں اور خود راقم الحروف نے تقریباً تین دہائیوں سے آپ کی تبلیغی خدمات اور ان کے اثرات کا اپنے ماتھے کی نگاہوں سے مشاہدہ کیا ہے۔

تواضع وسادگی کو آپ نے اپنا قیمتی لباس سمجھا تھا۔ آپ شمسیہ ہائی مدرسہ سلّی گوڑی ایک گورنمنٹی ادارے کے مایہ ناز ولائق وفائق استاذ کے ساتھ ساتھ شہر سلّی گوڑی کے قاضی شہر اور قاضی شرع کے منصب جلیل پر فائز تھے، نیز شہر سلّی گوڑی کی سب سے قدیم اور سب سے بڑی جامع مسجد کے خطیب وامام تھے اور اپنے وقت کے ایک شعلہ بار خطیب، صف علما میں آپ کا ہم پلّہ کوئی بھی پورے علاقہ میں نہیں تھا۔ شخصیت یکتا، عدیم النظیر اور بالکل منفرد المثال تھی، دینی وملی مسائل میں ہر جگہ صدارت وقیادت آپ ہی کی ہوتی، مرجع عوام و خواص تھے، عوام میں مقبول اس قدر کہ لوگ آپ کو اپنے گھر کا فرد سمجھتے تھے، بڑے بڑے امیر اور دولت مند آپ کے فیض یافتہ اور آپ کی موجودگی میں کھڑے نظر آتے تھے، ہندو مسلم سبھی آپ کی بارگاہ میں زانوئے ادب طے کرتے تھے، ان تمام خوبیوں کے باوجود بہت ہی سادگی کے ساتھ آپ زندگی بسر کرتے تھے۔ وضع قطع کے لحاظ سے دیکھنے میں کسی مکتب کے مولوی یا پھر کسی گاؤں کی مسجد کے پنج وقتہ امام معلوم ہوتے تھے۔ باہر سے اگر کوئی نو وارد اور اجنبی شہر میں داخل ہوتا اور وہ آپ سے ملنا چاہتا تو پہلی ملاقات میں وہ آپ کو نظر انداز کر دیتا اور جب کوئی بتاتا کہ یہی ہیں مولانا تمیز الدین تو بڑی مشکل سے اسے اس بات کا یقین ہوتا، سادگی میں رہ کر دین کا کام کرنا آپ کا خاص وصف تھا اور یہ وصف آپ کو اپنے اسلاف سے ورثے میں ملا تھا۔

ملک کے طول وعرض سے جو بھی عالم دین، خطیب یا شیخ طریقت یہاں تشریف لاتے وہ آپ کو سراہتے اور آپ کی دینی خدمات کا جذبہ اور ان کے اثرات کو محسوس کر کے آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتے۔ تمام سلاسل کے مشائخ سے آپ عقیدت رکھتے تھے اور وابستگی سلسلۂ اشرفیہ کے مشائخ سے تھی، سرکار کلاں سید شاہ مختار اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو شرف بیعت حاصل تھا لیکن زیارت وقربت زیادہ حضور اشرف الاولیاء سید شاہ مجتبیٰ اشرف اشرفی جیلانی اور آپ کے جانشین سید شاہ جلال الدین اشرف اشرفی جیلانی دامت برکاتہم القدسیہ سے رہی اور تاحین حیات حضرت جلال الدین اشرف مدظلہ العالی کی بارگاہ سے اکتساب فیض کیا۔

سلسلۂ اشرفیہ کے فروغ میں بھی آپ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ آج ان علاقوں میں جو مشائخ اشرفیہ کے عقیدت مند کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں اور سلسلۂ اشرفیہ کے پیران طریقت کی مسلسل آمد و رفت ہو رہی ہے ان میں آپ کا اہم رول ہے، اپنے وعظ ونصیحت اور رشد وہدایت سے لوگوں کو دین وسنیت سے قریب کرنا اور کسی کامل شیخ طریقت کی غلامی کی زنجیر میں ڈال کر انھیں مضبوط ومستحکم کرنا آپ کی تبلیغ کا ایک پہلو یہ بھی تھا۔

دولت وثروت کے حرص وطمع سے آپ پاک وصاف تھے، نصف صدی تک ایک زرخیز شہر کے دینی وملی رہنما وقائد کی حیثیت سے رہنے اور خود ذاتی طور پر سرکاری ملازم ہونے کے باوجود اس شہر اور قرب وجوار میں آپ کا نہ کوئی ذاتی مکان اور نہ قدم رکھنے کے برابر کوئی نجی جگہ تھی، جب کہ آپ کے بعد آنے والوں، آپ کے خوشہ چینوں اور آپ کی ذات سے فیض پانے والوں کے عالیشان بنگلے اور فلک بوس عمارتیں اور کوٹھیاں نظر آ رہی ہیں۔ آپ کا وطن مالوف مینا پور سالماری جو آپ کی اور آپ کے اہل وعیال کی رہائش گاہ ہے وہ بھی ایک معمولی سا گھر ہے۔ دین وسنیت کے لیے آپ نے اپنا سب کچھ وقف کر دیا تھا، اپنے اہل وعیال اور بال بچوں سے کہیں زیادہ فکر آپ کو جماعت اہل سنت کی تھی، ایثار وقربانی کی ایسی مثالیں دور حاضر میں بہت کم ملتی ہیں اور ایسے جانثار صادق ومخلص مبلغ کا ملنا اس دور میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں حضرت کی دینی خدمات کو قبول فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم۔

ابر رحمت ان کی مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز بر داری کرے

●●

ہمارے خلیفہ صاحب

خلیفۂ حضور سید العلماء حضرت صوفی سخاوت علی قادری برکاتی علیہ الرحمہ کے وصال پر کچھ یادیں، کچھ باتیں

از: معین الدین صدیقی برکاتی

بچپن میں جب تھوڑا سا ہوش سنبھالا تو ایک پیر صاحب گھر پر آتے تھے۔ سفید کپڑا، دو پلی ٹوپی اور گلے میں رومال۔ اتنی سمجھ نہیں تھی کہ کون ہے، بس اتنا جانتے تھے کہ حضرت ہیں۔ حضرت کے آتے ہی عید ہو جاتی، حضرت کے آتے ہی ہم کو عیدی ملتی تھی اور پھر شروع ہوتی دعوت، ناشتہ، کسی کے گھر رات کا، کسی کے یہاں دن کا، کسی کے یہاں تین دن کے لیے آتے تھے۔ کبھی کبھی لڑائی ہو جاتی مریدوں میں کہ ہمارے یہاں دعوت رہے گی ہم کو موقع نہیں ملا۔ سب مریدوں اور ماننے والوں سے ایک ہی محبت، سب یہی کہتے کہ حضرت سب سے زیادہ مجھے چاہتے ہیں۔ یہ جن مریدوں کا میں تذکرہ کر رہا ہوں، یہ کوئی لکھپتی کروڑ پتی مرید نہیں تھے، روز کھانے روز کمانے والے لیکن سب پیر پر جان نثار کرنے والے اور پیر سب کو دل و جان سے چاہنے والے۔

پیر صاحب کوئی مرغ مسلم کھانے والے نہیں، سادی روٹی اور بھاجی کھانے والے، شرط رکھ کر دعوت لیتے بھاجی بنانا، دال بنانا۔ سادہ پہننے والے، سادہ کھانے والے، لوگوں سے محبت کرنے والی ذات تھی ہمارے خلیفہ صاحب (صوفی سخاوت علی قادری برکاتی) کی۔

جی ہاں یہ ہمارے خلیفہ صاحب وہ ہیں جو خلیفہ ہیں حضور سید العلماء حضرت علامہ مفتی شاہ آل مصطفیٰ صاحب مارہروی علیہ الرحمہ کے، جن کو خلافت دے کر حضور سید العلماء علیہ الرحمہ نے میرے والد کو بلایا اور فرمایا: بیٹا! عبد القادر میں نے مولوی سخاوت علی صاحب کو خلافت دے دی ہے، اب یہ مگّھر کے مولوی صاحب نہیں ہیں، آل مصطفیٰ کے خلیفہ ہیں۔ ان کو مگّھرا کا جولاہا نہ سمجھنا، سید العلماء کا خلیفہ سمجھنا۔ ان کی ویسی ہی عزت کرنا جیسی میری کرتے ہو۔

اللہ اکبر! اس کو میرے والد صاحب نے اپنے آخری دم تک نبھایا اور ایسی ہی عزت کرتے رہے جیسی کہ اپنے مخدوموں کی کرتے تھے۔ حضرت خلیفہ صاحب قبلہ کو ابّا بھانڈوپ (ممبئی) لے آئے اور اپنے متعلقین کو مرید کروایا۔ سب سے پہلے آپ سے شیر خان چچا کو مرید کروایا اور عورتوں میں چنے والی خالہ انور بھائی کی امّی کو مرید کرایا۔ آپ نے ساتھ ہی اپنی منہ بولی ماں جنت بی کو بھی حضرت سے ہی مرید کروایا۔ بھانڈوپ برکاتیت کا گڑھ بن گیا، والد صاحب نے مسجد و مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور جماعت بنائی۔ حضرت خلیفہ صاحب قبلہ نے جماعت کا نام "جماعت برکاتیہ اصلاح المسلمین" رکھا اور حضرت خلیفہ صاحب قبلہ اس کے سرپرست رہے۔ بھانڈوپ کھنڈی پاڑہ میں مسجد، مدرسہ اور قبرستان اسی جماعت سے بنی۔ آپ بڑے اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے اور اپنی خانقاہ اور مرشد کے عاشق تھے۔ سرکار سید العلماء و حضور احسن العلماء نے اور آخر میں وقار ملت نے ۱۴؍سلاسل کی خلافت سے نوازا۔ خلیفہ صاحب قبلہ نے اپنے رشتہ محبت اور طریقت کو آخری دم تک نبھایا۔ یہ وفاداری ان کا خاصہ تھی۔

خلیفہ صاحب بہت بڑے عامل بھی تھے، بڑے بڑے مریضوں کو شفا ان کے در سے ملا کرتی تھی۔ میرے والد کو اور مجھ گنہگار کو کئی وظائف اور دعاؤں کی اجازت سے حضرت نے نوازا۔ ۱۰؍اگست ۲۰۱۵ کو مجھے گھر آنے کی دعوت دی، ساتھ کھانا کھلایا اور اپنی دعاؤں کے ساتھ اجازت و خلافت بھی تحریر فرمائی۔

حضرت خلیفہ صاحب کی زندگی کے محامد و محاسن کی فہرست بڑی طویل ہے اور اس پر مضمون نہیں کتاب کی ضرورت ہے۔ اپنی خراج عقیدت کے یہ چند جملے میں نے لکھ دیے ہیں تا کہ ان کے مداحوں میں میرا بھی شمار ہو جائے۔ اللہ ان کے شہزادے اور میرے مرشد کے خلیفہ حضرت قاری نسیم اختر صاحب کو صبر جمیل عطا کرے اور اپنے والد کا سچا جانشین بنائے اور ان سے اور زیادہ سلسلہ برکاتیہ کی خدمت لیتے رہے۔ آمین

●●

محترم الحاج سید احمد رضوی مرحوم ومغفور

از: جاوید قریشی

سنی دعوت اسلامی کے سرگرم مبلغ اور معروف ثنا خواں محترم الحاج سید احمد رضوی کا ۱۶؍دسمبر بروز سنیچر طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے وصال کی خبر سنتے ہی سنی دعوت اسلامی کے حلقے میں گہرے دکھ کی لہر دوڑ گئی اور تعزیتی پیغامات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مرحوم ومغفور سید احمد رضوی بچپن ہی سے سنی دعوت اسلامی سے منسلک ہو گئے تھے اور اسی پلیٹ فارم سے دعوت واصلاح کا کام انجام دے رہے تھے۔ آپ کی شناخت بہترین نعت خواں کی حیثیت سے عوام وخواص میں دور دراز تک پہنچ چکی تھی۔ آپ کی پڑھی ہوئی نعتیں آج بھی آپ کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ثبوت پیش کر رہی ہیں۔ آپ کی پڑھی ہوئی نعتیں ومنقبتیں آج بھی سی ڈیز میں محفوظ ہیں۔ آپ جب اپنی بہترین مترنم آواز میں نعت نبی گنگناتے تو ایک سماں سا بندھ جاتا اور آپ کی آواز سامعین کو اپنی گرفت میں لے لیتی تھی۔ آپ نے بڑی تیزی سے ثنا خوانوں کی صف میں اپنا ایک الگ مقام بنا لیا تھا مگر اچانک انہیں برین ٹیومر کا مرض لاحق ہو گیا۔ بامبے اسپتال میں قریب تین ماہ قبل ان کا آپریشن ہوا تھا مگر وہ آپریشن کامیاب نہ ہوا۔ آپ تین ماہ سے تا دم وصال کوما میں تھے بالآخر کئی ماہ کی طویل علالت کے بعد آخر یہ مرض جیت گیا اور سید احمد رضوی صاحب ہار گئے اور وہاں چلے گئے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ کسے معلوم تھا کہ نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا اکتیس سالہ نوجوان ثنا خوان اتنی جلد ہمیں داغ مفارقت دے جائے گا لیکن مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔

مرحوم ومغفور سید احمد رضوی بڑے اچھے اور سچے انسان تھے۔ صوم وصلوۃ اور سنتوں کی پابندی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے۔ ہر ایک سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا، اپنے سے بڑوں کی تکریم اور چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرنا آپ کے نمایاں اوصاف تھے۔ ان کی سچائی اور اچھائی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کی نعت خوانی، اخلاص اور اخلاق سے متاثر ہو کر بہت سارے نوجوان سنی دعوت اسلامی سے وابستہ ہو گئے اور انہوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور آج وہ ایک بہترین مسلمان بن کر زندگی گزار رہے ہیں اور صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں۔ مرحوم سید صاحب قبلہ سنی دعوت اسلامی کے عالمی شہرت یافتہ نعت خواں الحاج قاری رضوان صاحب قبلہ کے خصوصی تربیت یافتہ تھے۔ نعت خوانی انہوں نے الحاج قاری رضوان صاحب قبلہ سے سیکھی تھی اور ان سے بہت متاثر تھے۔ مرحوم سید صاحب قبلہ سنی دعوت اسلامی کے ادارہ البرکات انگلش اسکول کرلا ممبئی کے نہایت مقبول استاذ تھے۔ اسکول کے اساتذہ اور بچے سب ان کے اخلاق و کردار سے بہت متاثر تھے۔ آپ کے وصال کی خبر جوں ہی موصول ہوئی تو پورا اسکول غم واندوہ میں ڈوب گیا اور بچوں نے قرآن خوانی اور درود شریف وغیرہ پڑھ کر آپ کی روح کو ایصال ثواب کیا۔ سید صاحب قبلہ مرحوم کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ یوم وصال سے اب تک سنی دعوت اسلامی کی مختلف شاخوں میں قرآن خوانی کا سلسلہ جاری ہے۔

آپ کی نماز جنازہ اگلے دن اتوار کو ناریل واڑی قبرستان میں ساڑھے گیارہ بجے ادا کی گئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ حضرت امیر سنی دعوت اسلامی مولانا محمد شاکر علی نوری مدظلہ العالی نے پڑھائی۔ اس موقع پر ہزاروں غم زدہ واشک بار لوگ موجود تھے۔ سید صاحب قبلہ کے جنازے کو نعت ومناقب پڑھتے ہوئے قبرستان تک لایا گیا اور یہاں تھوڑی دیر آپ کی زیارت بھی کرائی گئی۔ کثیر ازدحام کی وجہ سے بیشتر لوگوں نے مسجد کی چھتوں سے آخری دیدار کیا۔

سید صاحب قبلہ مرحوم نے اپنے پیچھے والدین، بھائی بہن کے علاوہ بیوہ اور دو بچوں کو چھوڑا ہے۔ پہلا بچہ چار سال کا جب کہ دوسرا بچہ تقریباً چار ماہ کا ہے۔ اس اندوہناک گھڑی میں سنی دعوت اسلامی کے تمام اراکین، معاونین اور مبلغین نیز مدارس کے اساتذہ و طلبہ مرحوم کے اہل خانہ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعا گو ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے اور ان کے اہل خانہ وجملہ پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

●●

عورت کا مہر

عورت کے حق مہر کی شرعی قدر و قیمت، اس کے بنیادی احکام اور عوام الناس کی غلط فہمیوں کا جائزہ

از: عادل سہیل ظفر

اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی کامل اور بے عیب حِکمت اور اپنی مخلوق پر بے حد وحساب رحمت وشفقت کے ساتھ اپنے احکام نازل فرمائے اور اپنے رحیم ورؤف رسول نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ذریعے مزید رحمتیں نازل فرمائیں، جو براہ راست اللہ کے کلام میں نہیں، بلکہ اللہ نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے فرامین مُبارکہ اور افعالِ شریفہ میں ظاہر کروائی۔ انہی رحمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ذِلت وپستی والے مُعاشرتی مُقام میں، اپنی رضا اور رغبت کے خلاف قید اور لاچار و بے بس عورت کی عِزت وتکریم کے لیے اُسے بازاری جنس کی بجائے ایک خُود مختار اور باعِزت مُقام دیتے ہوئے اُس کے نکاح کے مُعاملات اور احکام طے فرمانا ہے۔ انہی مُعاملات میں سے ایک بنیادی مُعاملہ عورت کا مہر ہے۔ ہم اس مضمون میں اِسی اہم مُعاملے کا اِسلامی شرعی حکم جاننے سیکھنے کی کوشش کریں گے۔ اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

کسی عورت کے ساتھ نکاح کے لیے اُس عورت کا مہر مُقرر کرنا سابقہ اُمتوں میں بھی مُروّج تھا جس کی دلیل ہمیں حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی ایک بیٹی کا نکاح موسیٰ علیہ السلام سے کرنے کے واقعہ میں ملتی ہے کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کے نکاح کا مہر یہ مُقرر کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کم از کم آٹھ سال حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت گذاری کریں۔

کچھ لوگ اِس واقعے سے مہر کی زیادہ سے زیادہ قیمت مُقرر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے ہی حساب میں ایک عام شخص کی آٹھ سال کی کمائی یا تنخواہ کو مہر کی حد قرار دیتے ہیں۔ اُن لوگوں کا ایسا سمجھنا کسی بھی طور دُرست نہیں ہے، نہ ہی اُن کی اِس سمجھ کو اللہ کی کتاب میں سے کوئی تائید میسر ہوتی ہے، نہ ہی اللہ کے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی سُنّت مُبارکہ سے، نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت کے اقوال وافعال سے اور نہ ہی اُمت کے ائمہ اور عُلماے کرام کے اقوال سے۔ شاید وہ لوگ اس واقعے کو قرآن کریم میں مذکور دیکھ کر اِس سے شریعت محمد یہ علی صاحبہا افضل الصلاۃ والتسلیم کے مُعاملات اور احکام کی دلیل سمجھتے ہیں، جیسا کہ کئی لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں کہ جو کچھ قرآن میں مذکور ہوا اُس سے ہم مُسلمانوں کے لیے کسی بھی کام کے جائز یا ناجائز ہونے کی دلیل بنا سکتے ہیں۔

یہاں دو باتیں بڑی وضاحت سے جاننے کی ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ سابقہ انبیا اور رسولوں علیہم السلام اور سابقہ اُمتوں کے واقعات میں اُمت محمد یہ علی صاحبہا اکمل الصلاۃ والسلام کی شریعت کا کوئی حُکم نہیں لیا جا سکتا۔

(۲) اِس واقعہ میں ایک بات ایسی ہے جو ہماری اسلامی شریعت میں رَوا نہیں رکھی گئی، اور وہ یہ کہ کسی عورت کا مہر اُس کے عِلاوہ کوئی اور لے لے۔

آیئے سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالی کی آخری شریعت میں مہر کی حیثیت اور قدر و قیمت اور احکام ملکیت کیا ہیں؟

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: وَآتُوا النِّسَآءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً اور عورتوں (بیویوں) کو اُن کا مہر راضی خوشی سے ادا کرو یعنی عورتوں کا مہر اُنہی کو دیے جانے کا حُکم ہے، ایک اور مقام پر یہی حکم اِن الفاظ میں دہرایا گیا ہے: فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً اور جو تُم نے اُن سے (جنسی) لذت اور فائدہ حاصل کیا ہے اُس کے لیے اُن کی قیمت (مہر) ادا کرو، یہ (تُم پر) فرض ہے۔

(سُورۃ النساء: آیت ۲۴)

اللہ جلّ وعلا کے اِن فرامین مُبارکہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مہر اُسی عورت کو ادا کیا جانا ضروری ہے جس سے نکاح کر کے جسمانی لذت اور فائدہ حاصل کیا گیا، نہ کہ اُس کے کسی ولی یا رشتہ دار کو اور صِرف اتنا ہی نہیں بلکہ عورتوں کا مہر اُن کی رضا اور رغبت کے مُطابق طے کر کے اُنہیں ہی دیے جانے کا حکم فرمایا گیا ہے: فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ اور عورتوں سے اُن کے گھر والوں کی اجازت سے نکاح کرو اور اُن عورتوں کو اُن کی قیمت

معروف طریقے پر ادا کرو یعنی، کسی عورت سے نکاح (خصوصاً کنواری سے) اُس کے گھر والوں کی اجازت سے ہی کیا جائے گا۔ (کورٹ میرج یا دوسری وغیرہ وغیرہ قسم کی شادیاں اور نکاح نہیں کیے جاسکتے) اور مُعاشرے میں جانے پہچانے طریقے پر مہر اُس عورت کو ہی ادا کیا جائے گا۔

عورت اپنے نکاح کے لیے جو مہر مُقرر کرے اور جس پر اُس سے نکاح کرنے والا اتفاق کر لے وہ مہر اُس عورت کا خاوند پر حق ہو جاتا ہے۔ ہم بستری (جنسی تعلق کی تکمیل) ہو چکنے کی صورت میں خاوند وہ مہر ادا کرنے کا ذمہ دار ہے، فوراً یا بعد میں جیسے بھی نکاح سے پہلے اتفاق ہوا تھا۔ اس کے بارے میں اِن شاءاللہ بات آگے ہوگی۔

اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے مذکورہ بالا فرامین شریفہ میں مرد کے ذمے عورت کا مہر ادا کرنے کی فرضیت واضح ہے اور اِن فرامین مُبارکہ میں یہ بھی واضح ہے کہ اِس میں اللہ کی طرف سے کم یا زیادہ کی کوئی حد یا پابندی نہیں لگائی گئی لہٰذا شرعی حُکم کے طور پر اِس قسم کی کوئی پابندی لگانا دُرست نہیں بلکہ غلطی ہے اور غلطیوں کا سبب بھی۔

جی! مُعاشرتی اصلاح اور مُسلمان گھرانوں کو آباد کرنے اور رکھنے وغیرہ جیسے نیک کاموں کی تکمیل کے لیے اگر کوئی صاحبِ اختیار شخص عورتوں کے مہر پر کسی قِسم کی پابندی لگاتا ہے تو وہ ایک الگ مُعاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کئی دیگر احکامات کی طرح اس حکم کی تشریح و تفسیر کے لیے بھی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی ذات مُبارک کے قول و فعل کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ کا مطلوب سمجھنا ہے اور جاننا ہے کہ اِن احکام پر کس طرح عمل کیا جائے گا۔

مہر کی مقدار یا قیمت، سُنّت مُبارکہ کے مُطابق:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی طرف سے بھی بطور حکم اس مُعاملے میں کوئی حد مُقرر نہیں فرمائی گئی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فرمان: یُرِیدُ اللّٰهُ بِکُمُ الیُسرَ وَ لا یُرِیدُ بِکُمُ العُسرَ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے لیے نرمی چاہتا ہے اور تم لوگوں کے لیے سختی نہیں چاہتا، پر عمل فرماتے ہوئے اور اِس کی قولی تفسیر فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے فرمایا: بشِّرُوا وَ لا تُنَفِّرُوا، وَ یَسِّرُوا وَ لا تُعَسِّرُوا خوش خبری سناؤ اور نفرت نہ پھیلاؤ، اور نرمی کرو سختی نہ کرو۔

دُوسری روایت میں اِرشاد فرمایا: یَسِّرُوا وَ لا تُعَسِّرُوا وَ سَکِّنُوا وَ لا تُنَفِّرُوا یعنی آسانی کرو اور سختی نہ کرو اور سکون پہنچاؤ نفرت نہ پھیلاؤ۔

ایک اور مقام پر فرمایا: اِنَّ الدِّینَ یُسرٌ بے شک دین آسان ہے اور رؤف ورحیم رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے یہ قانون بھی مُقرر فرمادیا: لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ وَ مَنْ ضَارَّ ضَارَّهُ اللّٰهُ وَمَن شَاقَّ شَاقَّهُ اللّٰهُ نہ نقصان دینا جائز ہے اور نہ نقصان اُٹھانا، اور جو (کسی کو) نقصان دے گا اللہ اُس کو نقصان دے گا اور جو (کسی کو) مشقت میں ڈالے گا اللہ اُس کو مشقت میں ڈالے گا۔

رحیم وکریم وشفیق، نبی محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے انہی مذکورہ بالا بنیادی قوانین کے مُطابق اس مہر والے مُعاملے میں بھی تعلیم و تربیت عطا فرمائی اور احکام عطا فرمائے جن کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عورت کو نکاح پر مہر دینا واجب ہے لیکن اِس میں کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی باقاعدہ حد مُقرر نہیں فرمائی گئی۔

ہمارے مُعاشرے میں پائی جانی والی مصیبتیں جو اِسلام کے نام پر وارد کی جاتی ہیں، اور جن کا عمومی نقصان خواتین کو ہوتا ہے، جیسا کہ، وارثت کے مُعاملات میں انہیں نیکی اور احسان کا نام لے کر اپنا حق اپنے بھائیوں کو دینے کا سبق سیکھایا جاتا ہے، اور جیسا کہ مَردوں کے پاس مال ہونے کے باوجود خواتین کو کم سے کم مہر دینے کے لیے کسی کم قدر و قیمت کو شرعی مہر قرار دینا۔ سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو کتنا مہر عطا فرمایا؟

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ اُنھوں نے اِیمان والوں کی والدہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی بیگمات کا مہر کتنا تھا؟“ تو انہوں نے فرمایا: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کی بیگمات کا مہر بارہ اُوقیہ ہوا کرتا تھا اور ایک نَش۔“ پھر اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”کیا تُم جانتے ہو نَش کیا ہے؟“

میں نے عرض کیا: ”جی نہیں“۔ تو اُم المؤمنین نے فرمایا: آدھا اُوقیہ، تو اس طرح (سب مل کر یہ رقم) پانچ سو درہم ہوتا ہے۔ پس یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی طرف سے ان کی بیگمات کا مہر تھا۔“

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اِیمان والوں کی والدہ محترمہ کا یہ فرمان اپنی سُنن میں روایت کیا اور فرمایا: ”عُلما کے نزدیک ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہے اور (اس طرح) بارہ اوقیہ چار سو اسی درہم ہوئے۔“ اور ایمان والوں کی والدہ محترمہ کے اِس فرمان کے مُطابق

ان چار سو اسی درہم میں ایک نش یعنی آدھا اُوقیہ یعنی بیس درہم بھی شامل ہوئے تو پانچ سو درہم بن گئے۔

یہاں یہ بات سوچنے اور سمجھنے کی ہے کہ اُس زمانے میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے لیے پانچ سو درہم کوئی چھوٹی رقم نہیں تھی، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر صاحب حیثیت ہو تو زیادہ مہر دینے میں کوئی حرج نہیں اور اس کا جواز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان میں ملتا ہے کہ: وَإِن أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوجٍ مَّكَانَ زَوجٍ وَآتَيتُم إِحْدَاهُنَّ قِنطَاراً فَلاَ تَأْخُذُوا مِنهُ شَيأً أَتَأْخُذُونَهُ بُهتَاناً وَإِثماً مُّبِيناً اور اگر تُم لوگ بیوی بدلنا چاہو اور ان میں سے کسی کو بہت مال دے چکے ہو تو اس (دیے ہوئے مال) میں سے کچھ واپس نہ لو کیا تُم لوگ وہ مال الزام تراشی کر کے اور کھلے گناہ کے ساتھ لینا چاہتے ہو۔

یعنی صاحب حیثیت اگر زیادہ مہر ادا کرتا ہے تو اُسے منع نہیں کیا جانا چاہیے۔ مہر کی قدر و قیمت کو جس طرح کسی کم مقدار میں سنّت یا واجب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اِسی طرح زیادہ پر بھی کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ جی ہاں! یہ ضرور ہے کہ لڑکی (عورت) کی طرف سے یا اُس کے ولی کی طرف سے مہر کو زیادہ کرنے کی عادت و رواج نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ یہ اِسلامی مُعاشرے کی خصوصیات میں کمی، امن و سلامتی اور عِفت کی پاسبانی میں رخنے کا باعث بنتا ہے اور مہر کی قدر و قیمت زیادہ مُقرر کرنے کے ان منفی نتائج کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے مندرجہ ذیل ہدایات و تعلیمات عطا فرمائیں: خَيرُ الصَّدَاقِ أَيسَرُهُ سب سے خیر والا مہر آسانی والا مہر ہے۔ اور ایک فرمان یہ بھی ہے: اِنَّ مِنْ يُمنِ المَرأَةِ تَيسِيرَ خِطبَتِهَا وَتَيسِيرَ صَدَاقِهَا وَتَيسِيرَ رَحِمِهَا عورت پر احسان مندی میں سے ہے کہ اُس کا رشتہ کرنے میں اُس کے لیے آسانی کی جائے اور اُس کے مہر میں آسانی کی جائے اور اس کے لیے صلہ رحمی میں آسانی کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا عملی ثبوت بھی مہیا فرمایا کہ جب اُم المومنین حضرت صفیہ بنت حُیی سے نکاح فرمایا تو اُن کو غلامی سے آزاد کرنا اُن کا مہر مُقرر فرمایا۔

صحابہ کا مہر کی قدر و قیمت کے بارے میں رویہ:

الجفاء السُلمی کا کہنا ہے کہ خلیفہ ثانی حضرت عُمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہما نے ایک دِن ہمیں خطبہ میں فرمایا: ”خبردار! عورتوں کے مہر کو مہنگا مت کرو کیوں کہ اگر ایسا کرنا دُنیا میں عِزت کا سبب ہوتا یا اللہ کے یہاں تقویٰ کا باعث ہوتا تُم لوگوں سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم یہ کام کرتے، جب کہ اُنھوں نے اپنی بیگمات اور اپنی بیٹیوں میں سے کسی کا بھی مہر بارہ اُوقیہ سے زیادہ نہیں رکھا، اور دوسری جو بات تُم لوگ اپنی جنگی مہموں میں کرتے ہو کہ فُلاں شہادت کی موت مارا گیا، (ایسا مت کہا کرو) ہو سکتا ہے اُس نے اپنی سواری کو سونے چاندی سے لاد رکھا ہو اور تجارت کی غرض سے نکلا ہو لہٰذا اپنی یہ بات مت کہا کرو بلکہ وہ کہا کرو جو محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کہا کرتے تھے کہ جو اللہ کی راہ میں مارا گیا یا مر گیا وہ شہید ہے۔“

ایک اور روایت میں ابوالعجفاء السُلمی رحمہ اللہ نے حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کے فرمان میں یہ قول بھی بیان کیا کہ ”اور کبھی مَرد اپنی بیوی کے مہر کی وجہ سے امتحان میں بھی پڑ جاتا ہے۔“ اور ایک دفعہ فرمایا: ”اور کبھی مَرد اپنی بیوی کا مہر اتنا مہنگا کر لیتا ہے کہ وہ اُس کے دِل میں اپنی بیوی کے لیے دُشمنی کا سبب بن جاتا ہے یہاں تک کہ وہ کہہ ہی دیتا ہے کہ میں نے تُمھارا مہر ادا کرنے کے لیے مشکیزہ لٹکانے کی رسی تک بھی خرچ کر ڈالی یا کہے مشکیزے کی طرح بہہ گیا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے دوسرے بلافصل خلیفہٗ راشد امیر المؤمنین عُمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس فرمان میں ہمارے رواں موضوع کے بارے میں بات کے علاوہ اور بھی ہیں کئی سبق ملتے ہیں مثلاً

(۱) صحابہ رضی اللہ عنہم کا سُنّت شریفہ کے عین مُطابق عمل کرنا حتیٰ کہ ایسی باتوں سے بھی گریز کرنا جن کی تاویل کر کے انھیں درستگی کی حدود میں داخل کیا جا سکتا ہو۔

(۲) ہر کسی کو شہید کہنا درست نہیں حتیٰ کہ جو میدان جہاد میں بھی مارا گیا ہو اُسے بھی شہید نہ کہا جائے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے فرمان کے مُطابق (جو اللہ کی راہ میں مارا گیا وہ شہید ہے) کہنا چاہیے۔

یہ مندرجہ بالا آثار (احادیث اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کو مصطلح الحدیث میں آثار کہا جاتا ہے) اس بات کے دلائل ہیں کہ عورتوں کے مہر کی قدر و قیمت آسانی سے ادا کیے جا سکنے والی ہونا چاہیے یعنی مہر کو کم ہی رکھا جانا چاہیے تا کہ نکاح میں آسانی رہے اور اس کے بنیادی مقاصد کا حصول آسان رہے یعنی (۱) شرمگاہوں کی حفاظت جس کا نتیجہ پاکیزہ مُعاشرہ ہے جس میں سب کی عزت و عفت محفوظ رہتی ہے اور (۲) مُسلمانوں کی آبادی میں کثرت۔

یہاں تک یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مہر کی مقدار مُقرر کیے جانے کی کوئی نص یعنی لفظی یا عملی بات اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی طرف سے مُیسر نہیں۔ مندرجہ بالا اور مندرجہ ذیل آثار کی روشنی میں کم سے کم مقدار کی بارے میں پانچ اقوال ملتے ہیں

(۱) پانچ درہم۔ یہ قول حضرت امام شافعی کا ہے اور آپ کی دلیل یہ روایت ہے:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کافی دِنوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ اُن کے چہرے پر زردی دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے دریافت فرمایا: مَہیَم کیا ہوا؟۔ تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رَسُولَ اللَّهِ تَزَوَّجتُ اِمرَأَةً مِّنَ الأنصَارِ اے اللہ کے رسول! میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے دریافت فرمایا: مَا سُقتَ إلَيهَا ؟ تُم نے اُسے کیا دِیا ہے؟ تو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: نَوَاةً مِّنْ ذَهَبٍ أو وَزنَ نَوَاةٍ مِّنْ ذَهَبٍ سونے کا ایک نوات یا کہا ایک نوات وزن کے برابر سونا۔" تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: أَولِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ ولیمہ (ضرور) کرو خواہ ایک ہی بکری سے کرو۔"

دُوسری روایت یوں ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے دریافت فرمانے پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یا رَسُولَ اللَّهِ تَزَوَّجتُ اِمرَأَةً مِّنَ الأنصَارِ عَلیٰ وَزْنِ نَوَاةٍ مِّنْ ذَهَبٍ اے اللہ کے رسول! میں نے ایک انصاری عورت سے ایک نوات وزن کے برابر سونے (کے مہر) پر شادی کی ہے۔"

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: بَارَكَ اللَّهُ لَكَ أَولِمْ وَلَو بِشَاةٍ ولیمہ (ضرور) کرو خواہ ایک ہی بکری سے کرو۔

اس حدیث مُبارک میں ہمیں یہ احکام اور باتیں سمجھ میں آتی ہیں کہ:

(۱) عورت کو مہر ادا کرنا واجب ہے۔

(۲) ولیمہ کرنا چاہیے خواہ کم سے کم چیز کے ذریعے ہی کیا جائے۔

(۳) شادی کی دُعا برکت کے لیے دُعا کرنا ہے۔

(۴) شادی کی دعا کرنا یا شادی میں برکت کی دعا کرنا سنت ہے۔

(۵) کم مقدار میں مہر ادا کرنا بھی جائز ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی بنا پر مہر کی (کم سے کم) مِقدار پانچ درہم کہا کیوں کہ مدینہ منورہ کے رہنے والوں کے حساب کے مُطابق ایک اوقیہ = چالیس درہم۔ اور ایک نش = آدھا اُوقیہ = ۲۰ درہم۔ اور ایک نوات = چوتھائی نش یعنی ۵ درہم۔

اِس مندرجہ بالا حساب کی دلیل ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اِس فرمان میں بھی ملتی ہے:

أنَّ عَبدَ الرحمٰن بن عوف تَزوجَ إمرأةً مِن الأنصارِ عَلَی وَزنِ نَواةٍ مِن ذَهبٍ قَومَت خَمس دَرَاهم عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک انصاری عورت سے ایک نوات وزن کے برابر سونے (کے مہر) پر شادی کی جس کی قیمت پانچ درہم ہوتی ہے۔

اور کئی تابعین رحمہم اللہ کے اقوال میں بھی میسر ہیں جن میں سے کچھ اِسی مندرجہ بالا حوالے پر موجود ہیں۔

(۲) دینار کا چوتھا حصہ۔ یہ اِسی مندرجہ بالا حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ والی حدیث کی بنا پر ہی کچھ مالکی مذہب کے عُلما کا کہنا ہے کیوں کہ النواۃ اہل مدینہ کے مُطابق دینار کے چوتھے حصے کو کہا جاتا تھا اِس لیے مہر کی (کم سے کم) مِقدار دینار کا چوتھا حصہ ہے۔

(۳) دس درہم۔ یہ قول حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کیا جاتا ہے اور اِس کی دلیل امام الدار قُطنی کی سنن الدار قُطنی میں مروی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: لا مَهرَ أقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ..

●●

آیئے! کچھ سیکھتے ہیں

از: مولانا محمد ظہیرالدین مصباحی ودیگر

حضرت بہلول نے کتنے پتے کی بات کہہ دی

بہلول مجذوب، ہارون الرشید کے زمانے میں ایک مجذوب صفت بزرگ تھے۔ ہارون الرشید ان کی باتوں سے ظرافت کے مزے لیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی جذب کے عالم میں وہ پتے کی باتیں بھی کہہ جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بہلول مجذوب ہارون الرشید کے پاس پہنچے۔ ہارون الرشید نے ایک چھڑی اٹھا کر دی۔ مزاحاً کہا کہ بہلول یہ چھڑی تمہیں دے رہا ہوں۔ جو شخص تمہیں اپنے سے زیادہ بے وقوف نظر آئے اسے دے دینا۔ بہلول مجذوب نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ چھڑی لے کر رکھ لی اور واپس چلے آئے۔ بات آئی گئی، ہوگئی۔ شاید ہارون الرشید بھی بھول گئے ہوں گے۔ عرصے کے بعد ہارون الرشید کو سخت بیماری لاحق ہوگئی۔ بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ اطبا نے جواب دیا۔ بہلول مجذوب عیادت کے لیے پہنچے اور سلام کے بعد پوچھا۔ امیر المومنین کیا حال ہے؟ امیر المومنین نے کہا حال پوچھتے ہو بہلول؟ بڑا لمبا سفر درپیش ہے۔ کہاں کا سفر؟ جواب دیا۔ آخرت کا۔ بہلول نے سادگی سے پوچھا۔ واپسی کب ہوگی؟ جواب دیا: بہلول! تم بھی عجیب آدمی ہو۔ بھلا آخرت کے سفر سے بھی کوئی واپس ہوا ہے۔ بہلول نے تعجب سے کہا۔ اچھا آپ واپس نہیں آئیں گے تو آپ نے کتنے حفاظتی دستے آگے روانہ کیے اور ساتھ ساتھ کون جائے گا؟ جواب دیا۔ آخرت کے سفر میں کوئی ساتھ نہیں جایا کرتا۔ خالی ہاتھ جا رہا ہوں۔ بہلول مجذوب بولا۔ اچھا اتنا لمبا سفر کوئی معین و مددگار نہیں پھر تو لیجیے، ہارون الرشید کی چھڑی بغل سے نکال کر کہا۔ یہ امانت واپس ہے۔ مجھے آپ کے سوا کوئی انسان اپنے سے زیادہ بے وقوف نہیں مل سکا۔ آپ جب کبھی چھوٹے سفر پر جاتے تھے تو ہفتوں پہلے اس کی تیاریاں ہوتی تھیں۔ حفاظتی دستے آگے چلتے تھے۔ حشم وخدم کے ساتھ لشکر ہم رکاب ہوتے تھے۔ اتنے لمبے سفر میں جس میں واپسی بھی ناممکن ہے۔ آپ نے تیاری نہیں کی۔ ہارون الرشید نے یہ سنا تو رو پڑے اور کہا۔ بہلول ہم تجھے دیوانہ سمجھا کرتے تھے مگر آج پتہ چلا کہ تمہارے جیسا کوئی فرزانہ نہیں۔

عزیز بچو! حضرت بہلول نے کتنے سادہ اور بہترین انداز میں دنیا کی بے ثباتی بتادی۔ انھوں نے پیغام دیا کہ مرنے کے بعد انسان کے کچھ ساتھ نہ جائے گا۔ بس اس کے عمل ہی اس کے ساتھ جائیں گے اور وہی کام آئیں گے اس لیے نیک عمل کرتے رہو، کیا پتہ کہ کب آخرت کا بلاوا آجائے۔

☆☆☆

کبھی دوستوں پر بھروسہ مت کرنا

کسی باغ کے ایک گھنے درخت پر ایک فاختہ نے اپنا گھونسلہ بنایا ہوا تھا جس میں وہ دن بھر اپنے بچوں کے ساتھ رہتی تھی اور اُن کو دانہ دنکا بھی چگاتی تھی۔ وہ بہت خوش تھی کیوں کہ اب اُن بچوں کے بال و پر بھی نکلنے لگے تھے۔ ایک روز فاختہ کو اُس کے بچوں نے بڑی پریشانی کے عالم میں یہ بتایا کہ ماں ایسا لگ رہا ہے کہ ہمارا گھونسلہ برباد ہونے والا ہے۔ آج اس باغ کا مالک اپنے بیٹے کے ساتھ یہاں آیا تھا اور اُس سے کہہ رہا تھا کہ اب پھل توڑنے کا زمانہ آگیا ہے، کل میں اپنے دوستوں کو ساتھ لاوں گا اور اُن کی مدد سے اِس درخت کے پھل توڑوں گا۔ میرے بازو میں تکلیف ہے اس لیے یہ کام تنہا نہیں کرسکتا، مجھے اپنے دوستوں کی مدد کی ضرورت ہوگی۔

یہ سُن کو فاختہ نے بچوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ فکر مت کرو وہ کل اپنے دوست کے ساتھ نہ یہاں آئے گا اور نہ ہی پھل توڑے گا۔ اور پھر واقعی ایسا ہی ہوا باغ کا مالک نہ خود آیا اور نہ اُس کا دوست وہاں پہنچا۔ اسی طرح کئی روز گزر گئے تو ایک روز وہ پھر باغ میں آیا۔ اُس وقت بھی فاختہ اپنے بچوں کے پاس نہیں تھی۔ اُس نے درخت کے نیچے کھڑے ہوکر کہا کہ میرے دوستوں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا اس لیے میں یہاں سے پھل نہیں توڑ سکا مگر کل میں یہ کام ضرور کرڈالوں گا

کیوں کہ اس بار انہوں نے آنے کا پکا وعدہ کیا ہے۔ جب فاختہ واپس لوٹی تو اُس کے بچوں نے یہ بات فاختہ کو بتائی تو اس نے بے پرواہی سے کہا بچو! تم پریشان نہ ہو کیوں کہ اس بار بھی نہ وہ خود آئے گا اور نہ اُس کے دوست آئیں گے۔ غرض اِسی طرح یہ دن بھی گزر گیا اور فاختہ کے کہنے کے مطابق نہ باغ کا مالک وہاں آیا اور نہ ہی اُس کا کوئی دوست۔ فاختہ کے بچے اب کچھ زیادہ ہی مطمئن ہو گئے تھے۔

چندروز بعد باغ کا مالک اپنے بیٹوں کے ساتھ وہاں پہنچا اور درخت کے نیچے کھڑے ہو کر بولا کہ میرے دوست صرف نام کے دوست ہیں، انہیں مجھ سے کوئی ہمدردی نہیں۔ ابھی تک کئی بار وعدے کر کے ٹال گئے لیکن اب مجھے اُن کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود ہی کل تم سب کے ساتھ مل کر اس درخت کے پھل توڑوں گا۔ ویسے بھی مجھے دوسروں پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنے آپ پر بھروسہ کرنا چاہیے، اسی میں بہتری ہے۔ جب فاختہ نے یہ بات سنی تو وہ پریشانی کے عالم میں بولی: بچو! اب ہمیں فوری طور پر یہاں سے جانا ہوگا۔ جب تک باغ کا مالک دوسروں پر بھروسہ کر رہا تھا، اُس کا کام نہیں ہو رہا تھا مگر آج اُس نے خود پر بھروسہ کرتے ہوئے خود ہی پھل توڑنے کا ارادہ کیا ہے تو وہ ضرور کامیاب ہوگا اس لیے اب ہمیں یہاں سے جانا ہی ہوگا، پھر وہ اپنے بچوں کو ساتھ لے کر وہاں سے پرواز کر گئی۔

عزیز بچو! یہ کہانی تو بہت چھوٹی سی ہے مگر اس میں بہت بڑا سبق ہے، ایسا سبق جو زندگی گزارنے کا راز ہمیں بتا دیتا ہے۔ انسان کو کبھی بھی دوسرے پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ انسان کے اندر جب تک خود اعتمادی پیدا نہیں ہوتی تب تک وہ کچھ بھی کام نہیں کر پاتا اس لیے بچو! ہمیشہ اپنے ہی بازوؤں پر بھروسہ کرنا، دوستوں پر بھروسہ کرنے سے وقت بھی برباد ہوتا ہے اور انسان کا بھروسہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

حضرت محبوب الٰہی کی بارگاہ میں علاء الدین خلجی

علاء الدین خلجی ساری زندگی تڑپتا رہا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی بارگاہ میں حاضری دوں۔ حضرت محبوب الٰہی مانتے نہیں تھے۔ آپ کا مزاج ایسا تھا کہ شاہوں سے گریزاں تھے۔ اُس نے بڑا زور لگایا۔ خیر! اُس نے یہ ارادہ کر لیا کہ مَیں نے حاضر ہونا ہے تو آپ نے علاء الدین کو لکھا کہ فقیر کی خانقاہ کے دو دروازے ہیں۔ اگر تُو ایک سے آیا تو مَیں دوسرے سے باہر نکل جاؤں گا۔ اور اگر تُو نے زیادہ تنگ کیا تو تیرا شہر چھوڑ جاؤں گا۔

بادشاہ نے ایک دن بغیر بتائے خانقاہ میں حاضری دی۔ شیخ کو پتا چلا تو انہوں نے دروازے پر پہرے دار کھڑے کر دیے کہ بادشاہ کو اندر نہیں آنے دینا۔ بادشاہ نے ان فقیروں کے تیور پڑھے...... یہ پیروں کے جو مرید ہوتے ہیں، ہوتے تو دیوانے ہی نا......! خلجی نے کہا کہ یہ تو مَر جائیں گے لیکن شیخ کے دروازے سے اندر نہیں جانے دیں گے۔ بادشاہ کو شرارت سوجھی، اس نے کاغذ کے ٹکڑے پہ لکھا کہ یہ کیا ہوا؟ کہ بادشاہوں کے دروازوں پہ بھی بوّاب، چوکی دار اور فقیروں کے دروازے پہ بھی بوّاب! اندر سے شیخ نے اسی کاغذ کے ٹکڑے کی پشت پہ لکھ کے بھیجا کہ فرق یہ ہے کہ بادشاہوں کے دروازوں پہ جو بوّاب ہوتے ہیں وہ فقیروں کو روکنے کے لیے ہوتے ہیں اور جو فقیروں کی چوکھٹ پہ بوّاب ہوتے ہیں وہ امیروں کو روکنے کے لیے ہوتے ہیں۔

بادشاہ کہنے لگا کہ مجھے حضرت کی خانقاہ تو دیکھنے کی اجازت ہوگی۔ خدام نے کہا کوئی حرج نہیں ہے تو وہ خانقاہ، لنگر خانے دیکھنے لگا۔ بہت بڑی خانقاہ تھی۔ جب وہ اصطبل میں گیا تو کیا دیکھا کہ جو گھوڑے ہیں ان کی جو میخیں ہیں وہ چاندی کی ہیں اور جو اُن کے پاؤں میں زنجیریں پڑی ہوئی ہیں جن سے وہ بندھے ہوئے ہیں وہ زنجیریں سونے کی ہیں...... بادشاہ بڑا حیرت زدہ ہوا۔ اس نے پھر کاغذ کے ٹکڑے پہ لکھا کہ یہ کیا ہوا کہ بادشاہوں کے پاس بھی سونا چاندی اور فقیروں کے پاس بھی سونا چاندی......! فرق کیا ہوا؟ تو شیخ نے جواب میں لکھ کے دیا کہ فرق یہ ہے کہ بادشاہ خزانوں میں سنبھال کے رکھتے ہیں اور فقیر گھوڑوں کے قدموں میں ڈال کے رکھتے ہیں۔

ازافادات: حضرت مولانا پیر محمد رضا ثاقب مصطفائی نقشبندی

پیش کش: **وسیم احمد رضوی**، مالیگاؤں۔

●●

نوٹ: اس کالم کے لیے مدارس، اسکولس اور کالج کے طلبا و طالبات اپنی مختصر مگر نصیحت آموز تحریریں بھیج سکتے ہیں۔ (ادارہ)

پیش رفت

دعوتی، تبلیغی، تعلیمی اور اصلاحی سرگرمیاں

از: ادارہ

سنی دعوت اسلامی شاخ کرلا کی جانب سے نعتیہ انعامی مقابلہ

۱۹، ۲۰ ردسمبر بروز بدھ، جمعرات مدرسہ انوار القرآن کرلا ایسٹ کی جانب سے چودھواں سالانہ نعتیہ انعامی مقابلہ منعقد ہوا۔ شرکاے مقابلہ کو دو گروپوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ جونیئر گروپ سے بچوں نے اور سینئر گروپ سے بڑوں نے حصہ لیا۔ دس بہترین پڑھنے والوں کو بطور انعام ہاتھ کی گھڑی اور سرٹیفیکیٹ دیا گیا۔ ان کے علاوہ تمام شرکا کو کتابیں اور سرٹیفیکیٹ دیا گیا۔ جونیئر گروپ میں اول انعام خان محمد حامد صابر کو اور دوم انعام محمد مآثر عبد الوحید قریشی کو تیسرا انعام ابو المعارج کو دیا گیا اور سینئر گروپ سے محمد الطاف اشفاق شیخ کو اول انعام اور عبد اللہ ذکی اللہ قریشی کو دوم انعام اور عباس علی نوری کو سوم انعام دیا گیا۔ اس نعتیہ مقابلے میں کرلا، چمبور، واشی ناکہ اور وکرولی سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے شرکت کی۔ مبلغ سنی دعوت اسلامی جناب الحاج محمد صادق رضوی اور جناب الیاس اشرفی اور ان کے احباب نے اپنی اپنی ذمے داریاں بحسن وخوبی انجام دیں۔ (رپورٹ: مظہر حسین علیمی)

☆☆☆

تھرٹی فرسٹ نائٹ کے موقع پر بھانڈوپ سوناپور میں سنی اجتماع

۳۱ ردسمبر بروز اتوار بعد نماز مغرب وادیِ رضا زکریا کمپاونڈ سوناپور بھانڈوپ ممبئی میں سنی دعوت اسلامی کا ایک روزہ روح پرور سنی اجتماع امیر سنی دعوت اسلامی حضرت علامہ محمد شاکر نوری کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجتماع کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ نظامت کے فرائض مبلغ سنی دعوت اسلامی معین الدین برکاتی صاحب نے انجام دیے، امیر سنی دعوت اسلامی نے قرآن واحادیث کی روشنی میں رات کی اہمیت اُجاگر کرتے ہوئے فرمایا کہ رب تبارک وتعالیٰ نے رات کو انسانوں کے سکون واطمنان کے لیے بنایا ہے، مگر آج لوگوں پر افسوس ہے کہ وہ رات کو چین وقرار حاصل کرنے کے بجائے رب کی نافرمانی اور گناہوں میں گزار رہے ہیں، آپ نے دوران خطاب فرمایا کہ تھرٹی فرسٹ نائٹ کا اسلام میں کوئی وجود اور تصود نہیں ہے یہ غیروں نے مسلم معاشرہ اور نوجوانوں کو محض عیاشی، بدکاری اور شراب نوشی میں مبتلا کرنے کے لیے ایجاد کیا ہے، اس لیے مسلمانوں کو تھرٹی فرسٹ نائٹ منانے اور اس کے دامن میں موجود گناہوں سے بچنا نہایت ضروری ہے، آپ نے فرمایا کہ آج اُمت مسلمہ دن بدن زوال کی طرف جارہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آج ہم لوگ خود غرض اور مفاد پرست ہوگئے ہیں ہم اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے بارے میں کچھ نہیں سوچتے، اسی لیے آج دنیا ہم کو ٹکڑوں میں بانٹ بانٹ کر مار رہی ہے، آپ نے فرمایا ہم آج غیروں کی صرف برائیوں میں تقلید کرتے ہیں اچھائیوں میں نہیں کرتے، آج ہماری قوم کے نوجوان گناہوں اور رب کی نافرمانی میں مبتلا ہیں اگر اس قوم کو اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنا ہے تو دین کی طرف آنا ہوگا۔ مبلغ سنی دعوت اسلامی عبد القدیر اشرفی نے محبت رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے موضوع پر پرمغز خطاب کیا آپ نے کہا کہ ایک محبت رسول صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے اندر تھی جوان کو گناہوں سے دور کردیتی تھی اور ایک ہم ہیں کہ محبت رسول کا دعوی کررہے ہیں اور گناہ بھی کررہے ہیں۔ ڈاکٹر شیخ احمد نے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر بڑا مدلل اور مفصل خطاب کیا قرآن واحادیث اور دیگر مذاہب کی کتابوں کے حوالے سے حضور کا رحمۃ للعالمین اور پیغمبر امن ورحمت ہونا ثابت فرمایا۔ راقم الحروف عظمت اللہ نجمی نے سیرت غوث اعظم بیان کیا۔ تھرٹی فرسٹ نائٹ کی خرافات سے مسلم نوجوانوں کو دور رکھنے کے لیے سنی دعوت اسلامی کے تحت میرا روڈ، باندرہ، جوگیشوری اور مالونی ملاڈ وغیرہ میں بھی اجتماعات منعقد ہوئے۔ اس اجتماع میں مولانا موسی کلیم برکاتی امام مسجد درگاہ غمبین شاہ قادری بھانڈوپ، حافظ صابر برکاتی استاذ دار العلوم حنفیہ رضویہ قلابہ، مولانا محمد باقر نجمی، مولانا احمد رضا صدر امام احمد رضا اکیڈمی، حافظ نور الدین برکاتی، حافظ شعیب برکاتی، حافظ محسن رضوی، ٹرسٹیان قادریہ جامع مسجد، غوثیہ مسجد اور درگاہ ان کے علاوہ بہت سارے علما و مبلغین نے اس اجتماع میں شرکت کی۔

(رپورٹ: محمد عظمت اللہ نجمی، جامعہ غوثیہ ممبئی ۳)

●●